فیضانِ محبت
مجموعۂ کلام
عارف باللہ حضرت اقدس مولانا شاہ حکیم
محمد اختر صاحب دامت برکاتہم
کتب خانہ مظہری
گلشن اقبال کراچی ۴۷
پوسٹ کوڈ ۷۵۳۰۰
فون: ۴۶۸۱۱۲

یہ فیضِ صحبتِ ابرار آئینہ دارِ محبت ہے
یہ اُمیدِ نصیحتِ دوستوں کی اشاعت ہے

فیضانِ محبت

بہ فیضِ صحبتِ ابرار یہ دردِ محبت ہے
بہ امیدِ نصیحت دوستوں کی اشاعت ہے

مجموعۂ کلام

عارف باللہ حضرت اقدس مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب دامت برکاتہم

خلیفۂ مجاز

محی السنۃ حضرت اقدس مولانا شاہ ابرار الحق صاحب دامت برکاتہم

ناشر

کتب خانہ مظہری

گلشن اقبال ۲، کراچی ۴۷۔ پوسٹ کوڈ ۷۵۳۰۰، فون ۴۶۸۱۱۲

نام کتاب ــــــــــــــــــ فیضانِ محبت

کلام ــــــــ عارف باللہ حضرت اقدس مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب دامت برکاتہم

جامع، مرتب ــــــــــــــــ حضرت سید عشرت جمیل میر صاحب

خطاطی، ــــــــــــــــــ محمد علی زاہد

تزئین ــــــــــــــــــ خواجہ وہاب افضل

ناشر ــــــــــــــــــ کتب خانہ مظہری

پرنٹر ــــــــــــــــــ فرحان رضا پرنٹرز

اشاعتِ دوم ــــــــــــــــ جمادی الاول ۱۴۲۳ھ

ــــــــــــــــ جولائی 2002

تعداد ــــــــــــــــــ ایک ہزار

ھدیہ ــــــــــــــــــ روپے

نگرانِ اشاعت

ڈاکٹر عبد المقیم

خلیفہ مجاز:

عارف باللہ حضرت اقدس مولانا
شاہ حکیم محمد اختر صاحب دامت برکاتہم

رہائش: 32 راجپوت بلاک نظیر آباد، فضل روڈ لاہور فون: 042-6861584-6551774

Mobile:0300-9489624

E-mail: drmuqueem@yahoo.com

(بخاری شریف، باب الادب)

ترجمہ

بے شک بعض شعر حکمت آمیز ہوتے ہیں
(جو لوگوں کے لیے نافع ہوتے ہیں)
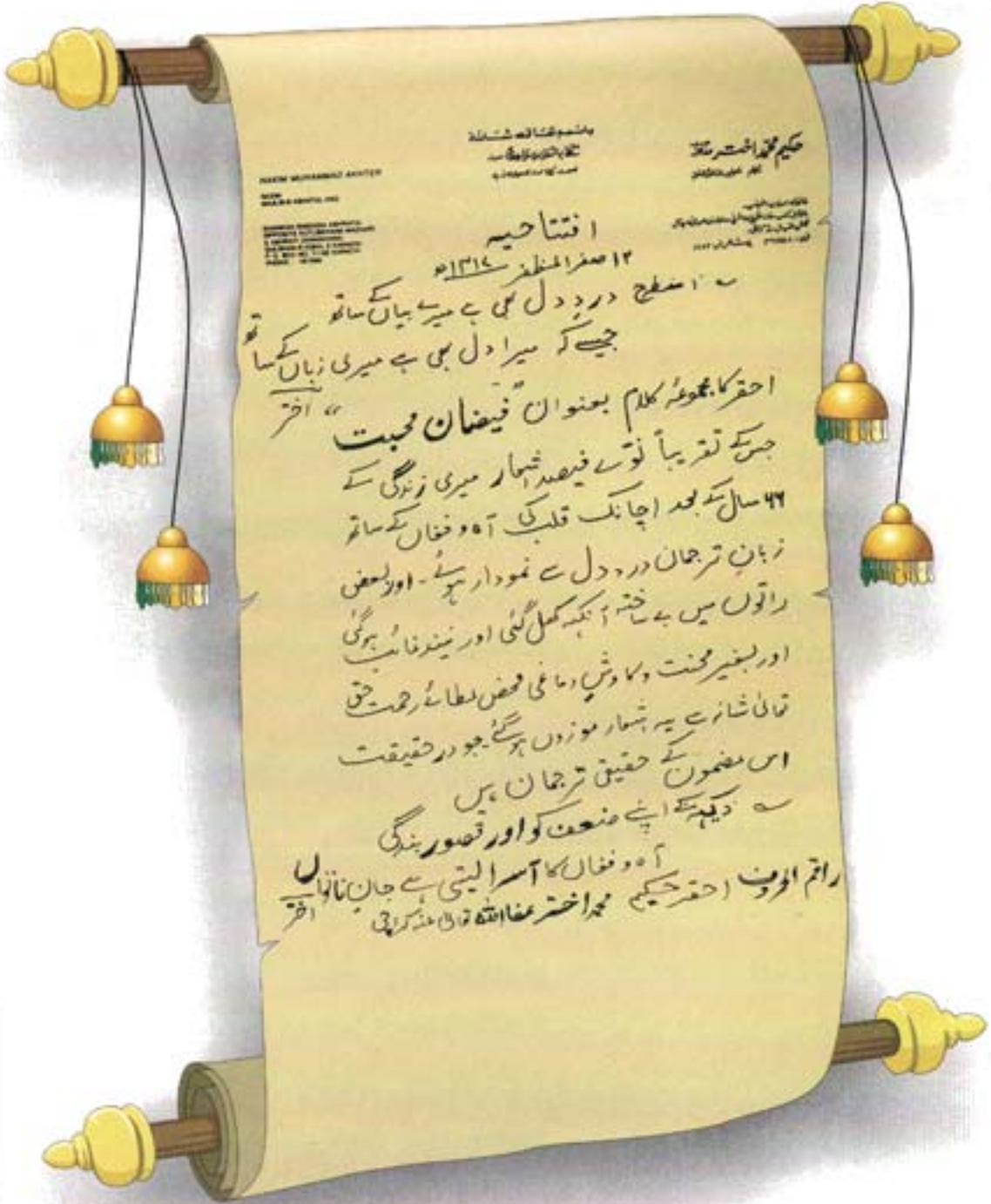
افتتاحیہ

۱۲ صفر المظفر ۱۴۱۷ھ

؎ اصلاح دردِ دل ہی ہے میرے بیاں کے ساتھ
جیسے کہ میرا دل ہی ہے میری زباں کے ساتھ
اختر

احقر کا مجموعۂ کلام بعنوان "فیضانِ محبت" جس کے تقریباً نوّے فیصد اشعار میری زندگی کے ۶۶ سال کے بعد اچانک قلب کی آہ و فغاں کے ساتھ زبانِ ترجمانِ دردِ دل سے نمودار ہوئے۔ اور بعض راتوں میں بے ساختہ آنکھ کھل گئی اور نیند غائب ہوگئی اور بغیر محنت و کاوشِ دماغی محض عطائے رحمتِ حق تعالیٰ شانہٗ سے یہ اشعار موزوں ہوگئے جو درحقیقت اس مضمون کے حقیقی ترجمان ہیں

؎ دیکھ کے اپنے ضعف کو اور قصورِ بندگی
آہ و فغاں کا آسرا لیتی ہے جانِ ناتواں
اختر

راقم الحروف احقر حکیم محمد اختر عفا اللہ تعالیٰ عنہ کراچی

فہرست

در مدحِ شیخ

کلامِ محبت و معرفت

تم اصلاح کی اس میں کوشش نہ کرنا

یہ ہے داستاں دردِ دل کی ہماری

مری شاعری بس مرادِ دردِ دل ہے

لُغت پا سکے گی اسے کیا تمہاری

قارئینِ کتاب سے گذارش

سب اہلِ دل سخن گوئی کو میری   مروّج شاعری سے دُور سمجھیں
جو اچھا یا بُرا مَیں نے کہا ہے   تقاضائے دلِ مجبور سمجھیں
اگر ہو لغزشِ خامہ تو مجھ کو   خمارِ عشق سے مخمور سمجھیں
بے ترتیبی اگر پائیں تو اس کو   نظامِ عشق کا دستور سمجھیں
خطا الفاظ و معنیٰ کی ملے تو   لسانِ عشق کو معذور سمجھیں

نہ چھپنے کی تھی حسرت نایافت لیکن
خُدا کو تھا یہی منظور سمجھیں

نوٹ: ہمارے محترم دوست جناب نثار صاحب کے یہ اشعار چونکہ میرے مجموعۂ کلام کے لیے بھی ضروری ہیں اس لیے فیضانِ محبت کے شروع میں ان کو نقل کیا جارہا ہے۔   حکیم محمد اختر عفا اللہ تعالیٰ عنہ

عرضِ مرتب
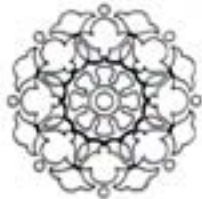
مرشدی مولائی حضرتِ اقدس مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب دامت برکاتہم کا مجموعۂ کلام "فیضانِ محبت" الحمدللہ تعالیٰ منصۂ شہود پر آگیا ہے۔

حضرت والا کا کلام نہ گُل و بُلبل کے قصّے ہیں نہ شراب و معشوقانِ فانی کی لچر داستانیں، بلکہ حُسنِ فانی و عشقِ مجازی و بدنظری کے خلاف اعلانِ جہاد ہے کیوں کہ اس دَورِ عریانی و فحاشی میں اللہ تعالیٰ کے راستہ کا سب سے بڑا حجاب اور سب سے بڑا الٰہ باطل یہی حُسنِ فانی ہے جس میں عوام کا تو ذکر ہی کیا بہت سے سالکانِ طریق اس سے کما حقہ اجتناب و احتیاط نہ کرنے کے سبب باوجود ذکر و اشغال کے منزلِ قربِ حق اور نسبتِ خاصہ سے محروم ہیں بلکہ نوبت یہاں تک پہنچ گئی ہے کہ مثلاً بدنگاہی اور حُسنِ فانی سے لذّت کشی کو گناہ بھی نہیں سمجھتے۔ اس رُوحانی کینسر کے معالجہ کے لیے اللہ تعالیٰ نے حضرت والا کو خاص توفیق بخشی ہے کہ حضرت کی مجلس ہو یا وعظ یا اشعار اس مرض کے مہلکات پر تنبیہ اور اس کے معالجات دلنشین عنوانات و لطیف تعبیرات سے فرماتے ہیں کہ عشقِ مجازی کی دلدل میں غرق ہزاروں مریض شفا پا چکے ہیں فالحمدللہ تعالیٰ۔ اکابر علماء بھی اس کے معترف ہیں کہ اس مضمون خاص میں حضرت والا مؤید من اللہ ہیں بلکہ بہت سے بڑے علماء کی رائے ہے کہ ان مضامین سے عوام و خواص کو بے حد فائدہ ہو رہا ہے۔

حضرت والا کے اشعار میں حُسنِ فانی کی ناپائیداری و لچریت اور اس پر تمنائے جاں نثاری کے حماقت ہونے اور اس سے کنارہ کش ہو کر واصل باللہ ہونے کے عنوانات و تعبیرات و ترغیبات کا حیرت انگیز اظہار ہوتا ہے

جس کی مثال احقر کے گمان میں پوری دُنیائے شاعری پیش کرنے سے قاصر ہے کیونکہ دُنیاوی شعراء تو ان مضامین کو سوچ بھی نہیں سکتے کہ ان کی پروازِ تخیل تو حُسن کے ظاہری نقش و نگار تک محدود ہے جب کہ حضرت والا کا کلام ان نقش و نگار کا پوسٹ مارٹم کر کے اس کی گندگی و خباثت و فنائیت کو ظاہر کر دیتا ہے۔ غیر اللہ کی نفی کر کے حضرت والا اپنے قلب کی آتشِ عشق اور دردِ دل کے کیف و مستی سے طالب کے دل کو حق تعالیٰ شانہ کے لیے بے قرار کر دیتے ہیں۔ حضرت والا کے اشعار کا ایک ایک لفظ اللہ تعالیٰ و رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت سے لبریز ہے اور حضرت والا کے دردِ دل کا عکاس ہے اور اپنے دردِ محبت کی جو عظیم دولت حق تعالیٰ نے حضرت والا کے قلب کو عطا فرمائی ہے اس کی کچھ نشان دہی حضرت والا کے کلام میں ہو جاتی ہے۔

قلوب کو مجاز سے حقیقت کی طرف منتقل کرنا کوئی آسان کام نہیں بلکہ انتہائی مشکل ہے جس کے لیے حضرت والا عشقِ مجازی کے ظاہری الفاظ کے آبگینے استعمال کر کے ان میں آتشِ عشقِ حقیقی بھر دیتے ہیں اور انداز نہایت لذیذ دلنشین و لطیف ہے جس کی ایک مثال پیش ہے کیونکہ یہ موقع کلام طویل کا نہیں، ملاحظہ فرمائیے ؎

نہ وہ سوز ہے نہ وہ ساز ہے یہ عجب فریبِ مجاز ہے
سرِ نازِ حُسن بھی خم ہوا نہ اب عشق وقفِ نیاز ہے
گیا حُسن یوں بتِ ناز کا کہ نشاں بھی باقی نہیں رہا
پڑھو دوستو مرے عشق پر کہ جنازہ کی یہ نماز ہے

اہل اللہ کا کلام ان کے دردِ دل کا آئینہ دار ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے کلام میں ایسی تاثیر ہوتی ہے جو اہلِ ظاہر کو نصیب نہیں ہو سکتی کیونکہ ان کے پاس وہ دل نہیں جو اہل اللہ کے سینوں میں ہے اور اہل اللہ کا مقصد الفاظ کی جادوگری اور لغت و تعبیر کی بازی گری نہیں ہوتا بلکہ لغت و الفاظ محض وسائل ہوتے ہیں جن سے ان کی آتشِ عشق اور دردِ دل کی ترجمانی ہو جائے اور وہ درد سینوں میں

منتقل ہو جائے اور لوگ اللہ تعالیٰ کے عشق سے سرشار ہو جائیں ۔ اس سلسلہ میں
حضرت والا کے یہ دو شعر پیش نظر رہیں جو ناظرین کرام کی خدمت میں عرض ہیں"

تم اصلاح کی اس میں کوشش نہ کرنا
یہ ہے داستاں درد دل کی ہماری
مری شاعری بس مرا درد دل ہے
لغت پا سکے گی اسے کیا تمہاری

اور حضرت والا کے یہ دو شعر بھی حضرت والا کے درد دل کی عکاسی کرتے
ہیں ۔ پہلا شعر انگلینڈ میں موزوں ہوا جبکہ حضرت والا کا بیان سُن کر ایک صاحب
نے عرض کیا کہ حضرت والا کے بیان میں ایسا درد تھا جو اس سے پہلے مَیں نے
کہیں محسوس نہیں کیا تھا ۔ اس وقت برجستہ حضرت والا نے یہ شعر فرمایا ۔

اس طرح درد دل بھی تھا میرے بیاں کے ساتھ
جیسے کہ میرا دل بھی تھا میری زباں کے ساتھ

اور دوسرا شعر ایسے ہی ایک موقع پر بنگلہ دیش میں فرمایا ۔

اس درجہ حلاوت ہے مرے طرز بیاں میں
خود میری زباں اپنی زباں چوس رہی ہے

اللہ تعالیٰ اس مجموعۂ کلام "فیضانِ محبت" کو شرف قبول عطا فرمائے اور قیامت تک اُمت مسلمہ
اور سالکان طریق کے لیے مشعل راہ اور حضرت والا کے لیے اور جامع و مرتب اور
اس کی طباعت و اشاعت میں جملہ معاونین کے لیے صدقۂ جاریہ بنائے ۔
آمین

احقر سید محمد عشرت جمیل میر عفا اللہ تعالیٰ عنہ
خادم حضرت مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب دامت برکاتہم
خانقاہ امدادیہ اشرفیہ
گلشن اقبال کراچی

بہ فیضِ صحبتِ ابرار یہ دردِ محبت ہے
بہ اُمیدِ نصیحتِ دوستوں کی اشاعت ہے

محبت تیرا صدقہ ہے ثمر تیرے نازوں کے
جو میں یہ نشر کرتا ہوں خزانے تیرے رازوں کے

انتساب

احقر کا یہ شعری مجموعہ

- مرشدنا و مولانا محی السنۃ حضرت اقدس شاہ ابرار الحق صاحب دامت برکاتہم

اور

- حضرتِ اقدس مولانا شاہ عبد الغنی صاحب پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ

اور

- حضرتِ اقدس مولانا شاہ محمد احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ

کی صحبتوں کے فیوض و برکات کا مجموعہ ہے۔

احقر محمد اختر عفا اللہ تعالیٰ عنہ

کسی اہلِ دل کی صحبت جو ملی کسی کو اختر

اُسے آ گیا ہے جینا اُسے آ گیا ہے مرنا

بیاد

حضرت شیخ پھولپوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

ان اشعار میں مجاہدۂ غیر اختیاری یعنی ایذائے مخلوق کی طرف اشارہ ہے ۔۔۔۔ محمد اختر عفا اللہ تعالیٰ عنہ

بتاؤں کیا کیا سبق دیئے ہیں تری محبت کے غم نے مجھ کو
ترا ہی ممنون ہے غمِ دل اور آہ و نالہ دلِ حزیں کا

جفائیں سہ کر دعائیں دینا یہی تھا مجبور دل کا شیوہ
زمانہ گذرا اسی طرح سے تمہارے در پر دلِ حزیں کا

جو تیری جانب سے خود ہی آئے پیامِ الفت دلِ حزیں کو
تو کیوں نہ زخمِ جگر سے بہہ کر لہو کرے رُخ تری زمیں کا

نہیں تھی مجھ کو خبر یہ اختر کہ رنگ لائے گا خوں ہمارا
جو چُپ رہے گی زبانِ خنجر لہو پکارے گا آستیں کا

سفرِ بنگلہ دیش

در مدح محی السنۃ قطب العارفین مخدومی و مرشدی و مولائی حضرتِ اقدس مولانا شاہ ابرار الحق صاحب دامت برکاتہم۔ محمد اختر عفا اللہ عنہ

بہار آئی بہار آئی بہارِ جاں فزا آئی
کہ بنگلہ دیش میں خوشبوئے اشرف کو صبا لائی

بیانِ سُنّتِ نبوی سے بنگلہ دیش روشن ہے
کہیں سنبل کہیں نسریں کہیں ریحان و سوسن ہے

شبِ تاریک روشن ہو گئی انوارِ سُنّت سے
جسے دیکھو وہی مسرور ہے اذکارِ سُنّت سے

مدرسے اک منٹ کے اور یہ انوارِ سُنّت کے
جہاں میں عام ہو جائیں یہ سب گلزارِ سُنّت کے

تری تقریر سے بادل چھٹے ظلماتِ بدعت کے
ملے ہیں طالبوں کو ہر طرف لمعاتِ سُنّت کے

اولو العزمی تری دیکھی بُرائی کو مٹانے میں
نہیں دیکھی ہے ہم نے ایسی جرأت اس زمانے میں

اثر فرما کسی کا خوف تجھ پر ہو نہیں سکتا
مزاجِ شیرِ نر روباہ ہرگز ہو نہیں سکتا

جہاں ہر نامناسب خو پہ شان احتسابی ہے
وہیں عفو و کرم کی شان بھی کیا بے مثالی ہے
تری شفقت سے ہم سب ناقصاں امید رکھتے ہیں
بحمد اللہ شبِ تاریک میں خورشید رکھتے ہیں
یہ اختر خاک تیرہ بے زباں بے ساز و ساماں ہے
مگر مٹی پہ بھی فیض شعاعِ مہرِ تاباں ہے
مری یہ گرمیِ ایماں ترے آتش فشاں سے ہے
مرے کانٹوں پہ شانِ گل بھی تیرے گلستاں سے ہے
مجھے احساس ہے تیرے چمن میں خار ہے اختر
مگر خاروں کا پردہ دامنِ گل سے نہیں بہتر
چھپانا منہ کسی کانٹے کا دامن میں گل تر کے
تعجب کیا، چمن خالی نہیں ہے ایسے منظر سے

دردِ محبت

کوئی کانٹا چبھے اور ٹوٹ جائے
اسی کا نام ہے دردِ محبت

فیضانِ شیخ

مرشدی حضرت مولانا شاہ ابرار الحق صاحب دامت برکاتہم نے یہ مصرع عطا فرمایا تھا۔ ”دورِ نشاط چل بسا گردشِ جام ہو چکی“ اور اس پر اشعار کہنے کی فرمائش کی تھی۔ حضرت والا کی برکت سے یہ اشعار ہو گئے۔ محمد اختر عفی عنہ

دورِ نشاط چل بسا گردشِ جام ہو چکی
صبحِ بہارِ وصل کی فرقت شام ہو چکی

عشق بھی تام ہو چکا عقل بھی تام ہو چکی
زندگی بے نظام کی زیرِ نظام ہو چکی

دیکھو تو فیضِ شیخ سے زاغ بھی ہنس ہو گیا
زندگی اک ہلال سے ماہِ تمام ہو چکی

نشۂ کبر و جاہ تھا سیرتِ نفورِ عشق تھی
عاشقِ میکدہ ہے وہ خوگرِ جام ہو چکی

اے مرے خالقِ حیات تجھ پہ فدا ہو صد حیات
تیری رضا سے بندگی میری تمام ہو چکی

اخترؔ بے نوا کو گر تیرا کرم کرے معاف
سمجھوں گا مجھ پہ اے خدا رحمت تمام ہو چکی

★

کیا ہے رابطہ آہ و فغاں سے
زمیں کو کام ہے کچھ آسماں سے

کوئی حاجت ہو رکھتا ہوں تری چوکھٹ پہ سر اپنا

الٰہی اپنی رحمت سے تو کر دے باخبر اپنا
نہ انجم ہیں ہمارے اور نہ یہ شمس و قمر اپنا

سوا تیرے نہیں ہے کوئی میرا سنگِ در اپنا
کوئی حاجت ہو رکھتا ہوں تری چوکھٹ پہ سر اپنا

خداوندا محبت ایسی دے دے اپنی رحمت سے
کرے اخترؔ فدا تجھ پر یہ دل اپنا جگر اپنا

میں کب تک نفس دشمن کی غلامی سے رہوں رُسوا
تو کرلے ایسے ناکارہ کو پھر بارِ دگر اپنا

چھڑا کر غیر سے دل کو تو اپنا خاص کر ہم کو
تو فضل خاص کو ہم سب پہ یارب عام کر اپنا

بہ فیضِ مُرشد کامل تو کردے ہنس زاغوں کو
کہ وقف خانقاہ شیخ ہے قلب و جگر اپنا

تغافل سے جو کی توبہ تو ان کی راہ میں اخترؔ
ہمہ تن مشغلہ ہے ذکر کا شام و سحر اپنا

☆

تجھے مشکل ہے کیا غم کو مرے زیر و زبر کرنا

تجھے مشکل ہے کیا غم کو مرے زیر و زبر کرنا
ہماری شامِ غم کو فضل سے رشکِ سحر کرنا

تری قدرت کا یہ ادنیٰ کرشمہ ہوگا اے مالک
کہ ہم سے دُور اُفتادوں کو پھر نزدیک تر کرنا

ترے دستِ کرم کی کیمیا تاثیر کیا کہیے
کسی ذرہ کو تیرا دم میں خورشید و قمر کرنا

جو تیری راہ میں روباہ خصلت سے ہیں پسماندہ
تجھے مشکل نہیں ایسوں کو رشکِ شیرِ نر کرنا

یہی ہے راستہ اپنے گناہوں کی تلافی کا
تری سرکار میں بندوں کا ہر دَم چشم تر کرنا

تجھے مشکل نہیں مسکیں کو سُلطانِ جہاں کر دے
کرم سے اپنے اختر کو ترا شمس و قمر کرنا

ہمارے درد کو یارب تو دردِ معتبر کر دے

ہمارے درد کو یارب تو دردِ معتبر کر دے
ہمارے سر کو ہر لمحہ تو وقفِ سنگِ در کر دے

مری آہوں کو لطفِ خاص سے تو بااثر کر دے
کرم سے میری جانِ بے خبر کو باخبر کر دے

اور اپنی راہ میں ہم سالکوں کو تیز تر کر دے
مزاجِ روبہی کو تو مزاجِ شیرِ نر کر دے

ہماری شامِ غم کو فضل سے رشکِ سحر کر دے
شبِ دیجور کو تو رشکِ خورشید و قمر کر دے

ہماری خشک آنکھوں کو خدایا چشمِ تر کر دے
مرے اشکوں میں شامل خونِ دل خونِ جگر کر دے

ہماری غفلتوں کی نیند کو آہِ سحر کر دے
ہماری سرد آہوں کو تو آہِ گرم تر کر دے

اور ہم سے دُور افتادوں کو تو نزدیک تر کر دے
ہمارے وسوسوں کو درد دل درد جگر کر دے

کرم سے نفس امارہ کو میرے بے ضرر کر دے
تقاضائے گنہ کو فضل سے زیر و زبر کر دے

عطائے نسبتِ عالی سے شاہِ بحر و بر کر دے
ثریا سے مرے ذرہ کو مالک فوق تر کر دے

ثنائے خلق کی نعمت سے مجھ کو بہرہ ور کر دے
ذلیل و خوار کو تو دم میں شاہِ کرّ و فر کر دے

منور نُورِ تقویٰ سے مری شام و سحر کر دے
دلِ گم کردۂ منزل کو شمعِ رہ گذر کر دے

ہمارے ذرۂ خاکی کو تو رشکِ قمر کر دے
مری توبہ سے میرے شر کو تو رشکِ بشر کر دے

مرے ہر شعر میں شامل مری آہ سحر کر دے
قیامت تک تو ان کو یادگارِ بحر و بر کر دے

زمینِ سجدہ کو اشکِ ندامت سے تو تر کر دے
فلک کی کہکشاں کو خاک پر زیرِ نظر کر دے

سرِ محشر بھی اخترؔ پر کرم کی اِک نظر کر دے
اور اپنے فضل سے وہ آخری مشکل بھی سر کر دے

دُعا

ایسی صورت جو مجھے آپ سے غافل کر دے
اے خدا اس سے بہت دُور مرا دل کر دے
اپنی رحمت سے تو طوفان کو ساحل کر دے
ہر قدم پر تو مرے ساتھ میں منزل کر دے
اے خدا دل پہ مرے فضل وہ نازل کر دے
جو مرے دردِ محبت کو بھی کامل کر دے

یارب کرم سے اپنے تو دونوں جہاں دے

یا رب کرم سے اپنے تو دونوں جہان دے
جو مستحق غضب کا ہے اس کو امان دے

اور اپنے فضل سے مجھے صدقِ لسان دے
اور اپنی محبت کی بھی اک خاص شان دے

یا رب مجھے زمان اور ایسا مکان دے
جس میں تری ہی یاد ہو ایسی ہر آن دے

کوئی ہمارے کان میں ایسی فغان دے
جس سے ہمارا ھــر بُنِ مو تجھ پہ جان دے

اور اپنی معرفت کی مجھے ایسی شان دے
ہر ذرہ کائنات کا تیرا نشان دے

اپنا پتہ دے مجھ کو یوں اپنا نشان دے
جاؤں جہاں بھی دل مرا بس تجھ پہ جان دے

آہوں کو میرے درد کا وہ ترجمان دے

تیرا بیان ہر زماں جس سے زبان دے

ہمت کی میری خاک کو وہ آن بان دے

دل کو جو میرے شوکت ہفت آسمان دے

توفیق کا کرم سے وہ تیر و کمان دے

جو ہر عدو سے ہر زماں مجھ کو امان دے

مالک مری زباں کو وہ سحر بیان دے

جو میری بات سُن لے وہ بھی تجھ پہ جان دے

اختر کو اپنے غم کی وہ مخمور جان دے

جو تیرے درد و غم کا ہمہ سُو بیان دے

توحید و سُنّت کمالِ بندگی

آپ کے نام پر جان دے کر زندگی زندگی پا گئی ہے

چل کے نقشِ قدم پر نبی کے بندگی بندگی پا گئی ہے

دعا

ایسی صورت جو مجھے آپ سے غافل کردے
اے خدا اس سے بہت دور مرا دل کردے

اپنی رحمت سے تو طوفان کو ساحل کردے
ہر قدم پر تو مرے ساتھ ہیں منزل کردے

اے خدا دل پہ مرے فضل وہ نازل کردے
جو مرے دردِ محبت کو بھی کامل کردے

حضرت مولانا حکیم محمد اختر صاحب دامت برکاتہم

شرطِ توحید کامل یہی ہے
عشق ہو آپ ﷺ کا قلب و جاں میں

یہ صبحِ مدینہ یہ شامِ مدینہ

یہ صبحِ مدینہ یہ شامِ مدینہ
مُبارک تجھے یہ قیامِ مدینہ

بھلا جانے کیا جام و مینائے عالم
ترا کیف اے خوش خرامِ مدینہ

مدینہ کی گلیوں میں ہر اک قدم پر
ہو مدِ نظر احترامِ مدینہ

مدینہ مدینہ مدینہ مدینہ
بڑا لطف دیتا ہے نامِ مدینہ

نگاہوں میں سلطانیت ہیچ ہوگی
جو پائے گا دل میں پیامِ مدینہ

سکونِ جہاں تم کہاں ڈھونڈتے ہو
سکونِ جہاں ہے نظامِ مدینہ

ہو آزاد اخترؔ غمِ دو جہاں سے
جو ہو جائے دل سے غلامِ مدینہ

(مدینہ منورہ سے واپس ہوتے ہوئے)

رنگ لائیں گی کب میری آہیں

رنگ لائیں گی کب میری آہیں — پھر مدینہ کی جانب کو جائیں
جب نظر آئے وہ سبز گنبد — پڑھ کے صلِّ علیٰ جھوم جائیں
جب حضوری کا عالم عطا ہو — اُن کو افسانۂ غم سنائیں
اب نہ جانا ہو گھر ہم کو واپس — چپکے چپکے یہ مانگیں دعائیں
تیرے در پر مرا سر ہو یارب — جان اس طرح تجھ پر لٹائیں
مجھ کو اپنا بنا لو کرم سے — ملتزم پر یہ مانگیں دعائیں
دونوں عالم کی کیا ہے حقیقت — جتنے عالم ہوں تجھ پر لٹائیں
سارے عالم میں پھر پھر کے یارب — تیرا دردِ محبت سنائیں
تیرا دردِ محبت سنا کر — سارے عالم کو مجنوں بنائیں
سارے عالم کو مجنوں بنا کر — میرے مولیٰ ترے گیت گائیں
لذتِ قُرب پا کر تیری ہم — لذتِ دو جہاں بھول جائیں

در بدر ڈھونڈتا ہے یہ اخترؔ
اہلِ دردِ محبت کو پائیں

آپ کا ذکر ہے دو جہاں میں!

آپ کا مرتبہ اس جہاں میں — جیسے خورشید ہو آسماں میں

دوستو یہ ہے شہرِ مدینہ — جس سے اسلام پھیلا جہاں میں

گر نہ صلِّ علیٰ ہو زباں پر — کیا اثر ہو گا آہ و فغاں میں

ورفعنا کا انعام یہ ہے — آپ کا ذکر ہے دو جہاں میں

شرطِ توحید کامل یہی ہے — عشق ہو آپ کا قلب و جاں میں

کوئی سمجھے گا کیا، غیر ممکن! — آپ کا رتبہ دونوں جہاں میں

سبز گنبد پہ جس کی نظر ہو — وہ بھلا جائے کس گلستاں میں

نام کیسا ہے پیارا محمدؐ — جن کے صدقے میں ایماں ہے جاں میں

یہ ہے فیضانِ نورِ نبوت — جو ہے اسلام سارے جہاں میں

کیا کہوں رفعتِ شانِ گنبد
کچھ نہیں دم ہے اختر زباں میں

ؐ صلی اللہ علیہ وسلم

کیا اثر تھا رسالت کی شان میں

نورِ سنت ہے کون و مکاں میں
کیا تجلی تھی تیرے بیاں میں

عبد و سُلطاں کھڑے ایک صف میں
کیا اثر تھا رسالت کی شاں میں

فرق کالے و گورے کا تو نے
کس طرح سے مٹایا جہاں میں

یہ تھا تیری غلامی کا صدقہ
شانِ سُلطانیت شتر باں میں

جس نے کانٹے بچھائے تھے دیکھا
گُل بداماں ترے بوستاں میں

جو چلا تیرے نقشِ قدم پر
کامراں ہے وہ دونوں جہاں میں

ہو قمر جیسے انجم میں روشن
آپ تھے محفلِ اختراں میں

آپ کی شان بے انتہا کو
کس طرح لائے اختر بیاں میں

☆

سوئے طیبہ چلے جب نبی کے قدم

میری قسمت کہاں یہ طواف حرم
جس زمیں پر چلے تھے نبی کے قدم

جس سے چپکے تھے کل سینۂ انبیاء
میرے سینہ کو حاصل ہے وہ ملتزم

معجزہ ہے کہ آلاتِ پیما نہ تھے
وسطِ دُنیا میں ہے کعبۂ محترم

اور بنوایا گھر اپنا یوں مختصر
سہل ہوتا کہ سب کو طوافِ حرم

ورنہ مالک اگر گھر بناتا بڑا
کھا کے غش گرتے سب زائرانِ حرم

اپنے کعبہ کا پھیرا کیا مختصر
صاحبِ بیت کی ہے یہ شان کرم

گو حرم کے پہاڑوں پہ سبزہ نہیں
ہیں مگر دوستو! پاسبانِ حرم

ورنہ حاجی درختوں میں بیٹھے ہُوئے
کیمرے میں لیا کرتے باغِ حرم

ربِ کعبہ سے بھی اور کعبہ سے بھی
دُور کر دیتے ہم کو جبالِ حرم

ان پہاڑوں پہ بھی حفظِ توحید کا
رب کی جانب سے ہے انتظامِ حرم

یہ بھی ہجرت کا اک رازِ تکوین ہے
ورنہ روضہ بھی ہوتا جوارِ حرم

قلبِ عاشق کے دو ٹکڑے ہوتے یہاں
درمیانِ حرم روضۂ محترم

جا کے طیبہ میں دے سبز گنبد پہ جاں
اور مکہ میں ہو جا فدائے حرم

بت وطن کے بھی ہجرت سے سب گر گئے
سوئے طیبہ چلے جب نبی کے قدم

آپ کے گھر میں اختر کی یہ حاضری
ایک نا اہل پر ہے خدا کا کرم

(مکہ مکرمہ - ۱۴۱۴ھ)

دل تڑپتا ہے میرا سینے میں
ہائے پہنچوں گا کب مدینے میں
قلب جس کا نہ ہو مدینے میں
اس کا جینا ہے کوئی جینے میں

فیضانِ مدینہ ہے یہ فیضانِ مدینہ

ساحل سے لگے گا کبھی میرا بھی سفینہ
دیکھیں گے کبھی شوق سے مکہ و مدینہ

مومن جو فدا نقشِ کفِ پائے نبی ہو
ہو زیرِ قدم آج بھی عالم کا خزینہ

گر سنّتِ نبوی کی کرے پیروی اُمّت
طوفاں سے نکل جائے گا پھر اس کا سفینہ

یہ دولتِ ایماں جو ملی سارے جہاں کو
فیضانِ مدینہ ہے یہ فیضانِ مدینہ

جو قلب پریشاں تھا سدا رنج و الم سے
فیضانِ نبوت سے ملا اس کو سکینہ

جو دردِ محبت کا ودیعت تھا ازل سے
مومن پہ ہُوا کشف وہ مدفون خزینہ

اے ختمِ رُسل کتنے بشر آپ کے صدقے
ہر شر سے ہُوئے پاک بنے مثلِ نگینہ

خالی جو تھا انوارِ محبت کی رمق سے
اک آگ کا دریا سا لگے ہے وہی سینہ

صدقے میں ترے ہو گیا وہ رہبرِ اُمّت
جو کفر کی ظلمت سے تھا اِک عبد کمینہ

اے صِلِّ علیٰ آپ کا فیضانِ رسالت
جو مثلِ حجر تھا وہ ہُوا رشکِ نگینہ

جو ڈوبنے والا تھا ضلالت کے بھنور میں
اب رہبرِ اُمّت ہے وہ گمراہ سفینہ

جو کفر کے ظلمات سے تھا ننگِ خلائق
ہے نُورِ ولایت سے منوّر وہی سینہ

اخترؔ کی زباں اور شرف نعتِ محمدؐ
اللہ کا احسان ہے بے خون و پسینہ

ؐ صلی اللہ علیہ وسلم

یہ آہِ سحر کا اثر دیکھتے ہیں

یہ آہِ سحر کا اثر دیکھتے ہیں
مدینہ کے شام و سحر دیکھتے ہیں

جسے آپ کا باخبر دیکھتے ہیں
اُسے غیر سے بے خبر دیکھتے ہیں

غلامی سے تیری غلاموں کا رتبہ
ملائک سے بھی فوق تر دیکھتے ہیں

تجلی جو ہے سبز گنبد پہ ہردم
اُسے رشکِ شمس و قمر دیکھتے ہیں

مدینہ کا جغرافیہ دیکھ کر ہم
عجب حالِ قلب و جگر دیکھتے ہیں

تصور میں آتا ہے جب سبز گنبد
تو ایمان کو گرم تر دیکھتے ہیں

بفرطِ محبت بشوقِ نظر ہم
مدینہ کے دیوار و در دیکھتے ہیں

ابوبکرؓ و فاروقؓ و عثمانؓ و حیدرؓ
تصور میں ہم اُن کے گھر دیکھتے ہیں

جو روضہ پہ حاضر سلاطیں ہوئے ہیں
تو پندار زیر و زبر دیکھتے ہیں

جو جالی پہ صلِّ علیٰ کہہ رہے ہیں
اے اخترؔ انہیں چشم تر دیکھتے ہیں

گلستانِ طیبہ سے مسرور ہوں گا

عجم کے بیاباں سے مفرور ہوں گا
گلستانِ طیبہ سے مسرور ہوں گا

مَیں دیدارِ گنبد سے مخمور ہوں گا
کبھی نُور ہوں گا کبھی طُور ہوں گا

گناہوں سے اپنے میں رنجور ہوں گا
بہ فیضِ شفاعت میں مغفور ہوں گا

اُڑے گی ہَوا سے جو خاکِ مدینہ
میں ایسے غباروں میں مستور ہوں گا

میں روضہ پہ صلّ علیٰ نذر کرکے
بہ دل نُور ہوں گا بجاں نُور ہوں گا

مدینہ کے انوارِ شام و سحر سے
سراپا دل و جاں سے مسرور ہوں گا

میں ممنون ہوں گا خدا کے کرم کا
کبھی دل میں اپنے نہ مغرور ہوں گا

ہر اک امر میں راہِ سُنّت پہ چل کر
خُدا کے کرم سے میں منصور ہوں گا

اُحد کے شہیدوں کے خونِ وفا سے
سبق لے کے پابندِ دستور ہوں گا

مدینہ میں جب قلب و جاں چھوڑ آیا
میں مجبور ہو کر نہ مجبور ہوں گا

قبا کی زیارت و نفلوں سے اختر
ہر اک راہِ سُنّت سے پُر نور ہوں گا

دیارِ مدینہ

نظر ڈھونڈتی ہے دیارِ مدینہ ہیں دل اور جاں بے قرارِ مدینہ

وہ دیکھو اُحد پر شجاعت کا منظر شہیدوں کے خون شہادت کا منظر

وہ ہے سامنے سبز گنبد کا منظر اسی میں تو آرام فرما ہیں سَرور

ابوبکرؓ و فاروقؓ و عثمانؓ و حیدرؓ یہیں تھے یہ پروانۂ شمعِ انور

یہیں سے تو اسلام پھیلا جہاں میں مدینہ کا شہرہ ہے ہفت آسماں میں

نشانِ نبی ہے یہ مسجد قبا کی ہے قندیل طیبہ نبی کی ضیاء کی

مدینہ کے دیوار و در دیکھتے ہیں عجب حال قلب و جگر دیکھتے ہیں

یہ مسکن ہے شاہِ مدینہ کا اخترؔ
فلک بوسہ زن ہے یہاں کی زمیں پر
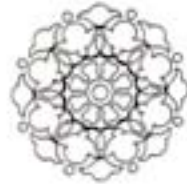
؎ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

جوارِ محمد ﷺ میں رہتے ہیں ہم

مدینہ منورہ کے ایک عالم حضرت مولانا عاشق الٰہی بلند شہری مہاجر مدنی دامت برکاتہم کی فرمائش پر یہ اشعار کہے گئے جنھوں نے مدینہ منورہ سے یہ مصرع لکھ کر بھیجا تھا ۔ جوارِ محمدؐ میں رہتے ہیں ہم —— محمد اختر

زمیں پر مدینہ کی رہتے ہیں ہم
فلک پر مگر ناز کرتے ہیں ہم

نہ پوچھو کہ کیا ہے ہمارا شرف
جوارِ محمد ﷺ میں رہتے ہیں ہم

کرم ہے یہ مالک کا اے دوستو
مدینے کی بستی میں بستے ہیں ہم

مدینے کی نسبت ہے قیمت مری
وگرنہ حقیقت میں سستے ہیں ہم

مدینہ میں مرنا مقدر میں ہو
خدا سے دُعا یہ بھی کرتے ہیں ہم

یہ نالائقوں پر ہے رب کا کرم
محمد ﷺ کی نگری میں رہتے ہیں ہم

شفاعت محمد ﷺ کی بھی ہو نصیب
دُعا رات دن یہ بھی کرتے ہیں ہم

مدینے میں ہر سال ہو حاضری
خُدا سے یہ فریاد کرتے ہیں ہم

پس اے ساکنانِ مدینہ مجھے
نہ بھولو گذارش یہ کرتے ہیں ہم

اے اختر مرے قلب و جاں ہیں وہاں
مدینے سے گو دُور رہتے ہیں ہم

؎ صلی اللہ علیہ وسلم

فدا تجھ پہ اے خاکِ شہرِ مدینہ

مُبارک تجھے ہو اے ارضِ مدینہ

نبی کا شہر ہے یہ شہرِ مدینہ

ترے پاس جب سیّدِ دو جہاں ہیں

نہ کیوں رشکِ افلاک ہو پھر مدینہ

ترے سبز گنبد پہ عالم فدا ہے

فلک جیسے چومے زمینِ مدینہ

ترا ذرہ ذرہ نشانِ نبی ہے

فدا تجھ پہ میں خاکِ شہرِ مدینہ

اُحد کے یہ دامن میں خونِ شہیداں

سبق دے رہا ہے وفائے مدینہ

نشانی ہے اسلام کی عظمتوں کی

صحابہؓ کے قدموں سے خاکِ مدینہ

وفاداریوں پر صحابہ کی اخترؔ

ہے تاریخ روشن یہ شہرِ مدینہ

یاجبال الحرم یاجبال الحرم

میری نظروں میں تم ہو بڑے محترم
یا جبال الحرم یا جبال الحرم

یہ دُعائے حرم لذتِ مُلتزم
ہو عطا سب کو یہ نعمتِ مغتنم

اے خدا ہے فقط آپ کا یہ کرم
کر رہے ہیں جو ہم سب طوافِ حرم

آگیا سامنے روضۂ محترم
جس کی زیارت کو یارب ترستے تھے ہم

رحمتِ دو جہاں کا ہے فیضِ اتم
جن کے صدقے میں مسلم و مومن ہیں ہم

آپ ہی کے شرف سے یہ رُتبہ ملا
اُمتِ مسلمہ ہے جو خیر الامم

ہیں سلاطینِ عالم بھی احرام میں
بن کے حاضر ہوئے ہیں گدائے حرم

میرے مالک یہ اختر کی سُن لے دُعا
ہو مقدر میں ہر سال دیدِ حرم

لذتِ ذکرِ نامِ خدا ہے چمن

لذتِ ذکرِ نامِ خدا ہے چمن
اور غفلت کی دنیا ہے دشت و دمن

کی ہے جس نے بھی ہجرت ترے نام پر
پا گیا پا گیا وہ بہارِ وطن

ہے ضروری گناہوں کو بھی چھوڑ دیں
اصل ہجرت نہیں صرف ترکِ وطن

یہ ہے فیضانِ آہ و فغاں دیکھ لو
دامنِ کوہ میں دل ہے کیسا مگن

بالیقیں پائے گا نسبتِ اولیاء
جس کے دل کو لگی ہے خدا سے لگن

شہرِ محبوب ہو گا جہاں بھی کہیں
عاشقوں کا سُنا ہے وہی ہے وطن

پھر مدینے کی لذت کو میں کیا کہوں
کاش ہوتا مدینے میں میرا وطن

کس طرح میں کہوں دل سے اے دوستو
زندہ باد اے وطن زندہ باد اے وطن

ہیں وطن میں مگر دل مدینے میں ہے
اے مدینہ فدا تجھ پہ ہوں صد وطن

نیک لوگوں میں ہو صاحبِ دردِ دل
ہے چمن میں کوئی جیسے رشکِ چمن

روز و شب ہے یہ اختر کی آہ و فغاں
بخش دے روزِ محشر مجھے ذوالمِنَن

(ری یونین - ۱۱ ستمبر ۱۹۹۳ء)

الم یعلم بان اللہ یریٰ

جو کرتا ہے تو چھپ کے اہلِ جہاں سے کوئی دیکھتا ہے تجھے آسماں سے

صحابہؓ کی حیاتِ باوفا تاریخِ ایماں ہے
جو خبر دے رہی ہے اُنؓ کی پیغامِ ایمانی

سیہ دیدہ میں پوشیدہ جمال حق کی تابانی
صحابہ کے دلوں کو جس نے بخشا نور یزدانی

وہ سلطانِ جہاں تھے قلب میں تھا فقرِ پنہانی
مقامِ عبدیت کے ساتھ تھی ان کی جہانبانی

خدا دیدہ نظر کو چوں کہ دیکھا تھا صحابہ نے
وہ ایماں آج کیسے پا سکے گا کوئی ربانی

تجلی گاہ جو جاں تھی اسی روحِ منور سے
ہر اک مومن کو ہوتی تھی عطا معراجِ روحانی

مبارک اُنکی آنکھوں کو کہ جن آنکھوں نے دیکھے تھے
نبی کے چہرۂ انور پہ جلوہ ہائے ربانی

جنھوں نے مال و زر بھی آبرو بھی جان بھی دے دی
کوئی جانے گا کیا ان کا مقام کیفِ احسانی

ہمیشہ ہر صحابی راہِ سُنّت کا تھا شیدائی
وہ دیوانے تھے لیکن خاک پا تھی ان کی فرزانی

یہ کیسا معجزہ تھا دوستو شان رسالت کا
شُتر بانوں کو بخشے جس نے آدابِ جہانبانی

خُدا ان سے ہے راضی اور وہ رب سے ہوئے راضی
شہادت اس حقیقت پر ہیں خود آیات قرآنی

بھلا غیرِ صحابی پا سکے گا مرتبہ ان کا
کہ ہے منصوص ان پر رحمت حق فضل رحمانی

صحابہ کی محبت کو بھی ہم ایماں سمجھتے ہیں
کہ ان کے دم سے امت کو ملی تعلیم قرآنی

صحابہ کی حیات باوفا تاریخ ایماں ہے
جو اخترؔ دے رہی ہے رات دن پیغام ایمانی

شمس و قمر کی شمعیں ادنیٰ سی جھلک ہے تیری

روح میں تیرے نور سے کتنے ہیں نہاں کائنات

یہ زمیں جیسے ہے آسماں میں

جس سے ہیں آپ خوش اس جہاں میں
وہ شب و روز ہے گلستاں میں

دیکھ کر میرے اشکِ ندامت
ابرِ رحمت کی بارش ہے جاں میں

آپ کا سنگِ دَر اور مرا سَر
حاصلِ زندگی ہے جہاں میں

سارے عالم کی لذت سمٹ کر
آ گئی ہے ترے آستاں میں

لذتِ ذکرِ حق اَللہ اَللہ
اور کیا لطف آہ و فغاں میں

کیا کہوں قربِ سجدہ کا عالم
یہ زمیں جیسے ہے آسماں میں

برق گرنا مگر رُخ بدل کر
آہ سُنتا ہوں میں آشیاں میں

عالمِ غیب کا یہ کرم ہے
چشمِ بینا دیا قلب و جاں میں

درسِ تسلیم و خونِ تمنا
ہے نہاں عشق کی داستاں میں

لذتِ قربِ بے انتہا کو
کِس طرح لائے اختؔر زباں میں
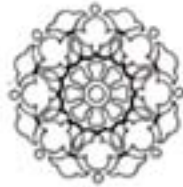
آپکو پا گیا اپنی جاں میں

ذکر سے جب ملا نور جاں میں — سیکڑوں جاں ملی میری جاں میں
چار سُو اُن کی نسبت کی خوشبو — پھیل جاتی ہے سارے جہاں میں
کس طرح سے چھپاؤں محبت — راز ظاہر ہے آہ و فغاں میں
چشم غماز ہے درد نسبت! — عشق مجبور ہے گو بیاں میں
نیم جاں کر دیا حسرتوں نے — رہ کے صحرا میں ہوں گلستاں میں
آپ کی راہ میں جان دے کر — آپ کو پا گیا اپنی جاں میں
یوں تو دنیا سے جانا ہے مجھ کو — کام کچھ نیک کر لوں جہاں میں
تیری توفیق کا آسرا ہے — ورنہ رکھا ہے کیا خاکداں میں
مثل خورشید چمکا دے یا رب — درد مخفی ہے جو میری جاں میں

تیری رحمت کے صدقے میں اختر
کیا عجب ہوگا باغ جناں میں
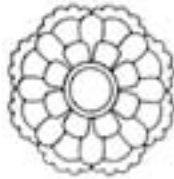
ترے در پر ترا بندہ بہ اُمیدِ کرم آیا

کرم سے ان کے میرے سامنے ان کا حرم آیا
ہماری زندگی کا وقت وقتِ مغتنم آیا

کرم سے ربِّ کعبہ کے دُعایاں رد نہیں ہوتی
نظر کے سامنے قسمت سے میری مُلتزم آیا

یہاں کا ذرہ ذرہ مظہرِ انوارِ کعبہ ہے
یہ مالک کا کرم ہے اس پہ جو اُس کے حرم آیا

اگرچہ پُرخطا ہے پر کہاں جائے ترا بندہ
ترے در پر ترا بندہ بہ اُمیدِ کرم آیا

زبانِ شکر قاصر ہے لُغت میں دَم نہیں اختر
مری اُمید سے زیادہ نظر اُن کا کرم آیا

(۱۰ رمضان المبارک ۱۴۱۳ھ اندرونِ کعبہ مشرفہ)

اے مرے خالقِ حیات

اے مرے خالقِ حیات تیری خوشی ہے صد حیات
آپ کی ناخوشی سے ہے میری حیات صد ممات

ذکر سے تیرے مل گئی دل کو ہمالے صد حیات
بلکہ ترے ہی نام سے زندہ ہے ساری کائنات

تیرے بغیر ہی ہی کیا مُردہ ہے ساری کائنات
تیرے کرم سے حشر تک زندہ ہے ساری کائنات

عارضِ حُسنِ گل پہ ہیں بُلبُل کی ساری ہزلیات
فانی بتوں کو دل نہ دے یہ ہیں ہماری غزلیات

شمس و قمر کی روشنی ادنیٰ سی بھیک ہے تری
رُوح میں تیرے نُور سے کتنے ہیں ماہ کائنات

نفس کا جو غلام ہے غرق ہے وہ گناہ میں
کیوں نہ کہوں کہ زندگی کتنی ہے اس کی واہیات

اُس کا سکون چھن گیا کتنی ہے تلخیٔ حیات
جس نے چکھے ہیں دوستو فانی بتوں کے نمکیات

توبہ کریں گناہ سے لیکن ہو صدق دل سے بھی
حشر میں ہوں گے فائزوں بیبیاں ہوں گی فائزات

ہیں تو خدا سے دور دور لیکن زباں پہ ہے ضرور
دعویٰ علمِ ارضیات دعویٰ علمِ فلکیات

جس کو خدا نے بخش دی لذتِ ذکر فضل سے
اخترؔ وہ پا گیا ہے بس حاصلِ لطفِ کائنات

غرض اتنی ہے بس پیر مغاں کے جام و مینا سے
کہ ہم ہر اک کو اپنے دیکھ لیتے قلب بینا سے

کلام
محبت
و
معرفت

سامنے جلوے ہیں ان کے کو بہ کو

دردِ دل کے واسطے کر جستجو ۔۔۔ زخمِ حسرت اور خونِ آرزو
غم سے ٹکڑے ہو گئے دل کے مگر ۔۔۔ دل کے ہر ذرّہ میں ہیں انوارِ ھُو
ان کی جانب سے محبت کا مرے ۔۔۔ امتحاں ہے ہر شکستِ آرزو
اے خدا تجھ پر فدا ہو ہر زماں ۔۔۔ میری دولت میری جان و آبرو
حسرتوں کے غم اگر ہیں راہ میں ۔۔۔ سامنے جلوے ہیں ان کے کو بہ کو
ایسی شکلوں کو نہ دیکھوں میں کبھی ۔۔۔ آپ سے جو دُور کر دے خوبرو
تجھ کو کیوں مشکل ہے یہ صرفِ نظر ۔۔۔ دیکھ اے ظالم شہیدوں کا لہو
شکر کرتے ہیں غمِ حسرت پہ ہم ۔۔۔ دیکھ کر یا رب ترے جام و سبو

دیدۂ اختؔر ہے گو حسرت زدہ
دیدۂ دل دیکھتی ہے نورِ ھُو

(۱۱ فروری ۹۴ء، جوہانسبرگ تا نیروبی طیارہ میں)

ہائے لمحاتِ غفلت دل کے

آرزو میری خاک میں مل کے — لطف لیتی ہے عشق کامل کے
مٹ گئے رنج راہِ منزل کے — پاس آئے ہیں جب سے وہ دل کے
رنج حسرت ہے راہ میں لیکن — لطف شامل ہیں اُن کی منزل کے
کیا کہوں ان کے قرب کا عالم — کتنے عالم ہیں عالمِ دل کے
فرطِ لذت سے جھوم جاتا ہوں — کتنی خوشیاں ہیں آپ سے مل کے
اب خزاں دل سے دُور ہے کیونکہ — پاس رہتے ہیں وہ مرے دل کے
جب یہ لذت ہے دل کے طوفاں میں — کیا کہوں کیف دل میں ساحل کے
کیا خبر تھی کہ خوں بہا ہیں آپ — ہائے لمحات غفلت دل کے
ایسے ویسے بھی ہو گئے کیسے — فیض کیسے ہیں شیخ کامل کے
جان ان پر فدا کرو اختر — سرخرو ہو گے خاک میں مل کے

پھُول مُرجھا گئے ذرا کھل کے

کونؔ[1] رخصت ہُوا گلے مِل کے
شامیانے اُجڑ گئے دل کے

حُسن فانی ہے عشق بھی فانی
پھول مُرجھا گئے ذرا کِھل کے

کیسا چہرہ بدل گیا ان کا
دام کچھ بھی نہیں رہے تِل کے

کی نہ توبہ اگر گناہوں سے
دونوں روئیں گے خاک میں مِل کے

صدق توبہ و چشم گریاں سے
سامنے ہیں نشان منزل کے

ناؤ گذری ہے جو بھی طوفاں سے
لطف ملتے ہیں اس کو ساحل کے

اے خُدا آپ کے کرم سے سب
کٹ گئے دن ہمارے مشکل کے

بعد مدت کے بزم ساقی میں
میرخوشیاں مَنا گلے مِل کے

میں کہاں اور شاعری میری
فیض ہوتے ہیں شیخ کامل کے

آج اخترؔ ہے مجمع ابرار
آؤ کر لیں ذرا دُعا مِل کے

[1] مُراد شیخ ہے

یہ مستی دردِ دل کی اشرفِ مینائے عالم ہے

یہ مستی دردِ دل کی اشرفِ مینائے عالم ہے
ہر اک جامِ محبت اشرفِ صہبائے عالم ہے

بہت گلشن ہیں دُنیا میں مگر سب ہیچ و فانی ہیں
یہ گلشن دردِ دل کا افضلِ گلہائے عالم ہے

بہت تحفے ملے دنیا میں لیکن کیا کہوں اے دِل
یہ تحفہ دردِ دل کا حاصلِ نعمائے عالم ہے

جسے دیکھو اسی کے سر میں ہے سودا کسی شے کا
مگر سودائے جاناں اکبرِ سودائے عالم ہے

بس اک ہنگامہ دردِ عشقِ حق کا گرم رہتا ہے
سوا اس کے ہمہ فانی ہر اک غوغائے عالم ہے

خوشی پر ان کی مرنا اور جینا ہی محبت ہے
نہ کچھ پروائے بدنامی نہ کچھ پروائے عالم ہے

ہے روحِ بندگی بس ان کی مرضی پر فدا ہونا
یہی مقصودِ ہستی ہے یہی منشائے عالم ہے

ہماری خاک اُس لمحہ میں ہے رشکِ فلک اختر
وہی لمحہ جو میرا ذاکرِ مولائے عالم ہے

(۹ رمضان المبارک ۱۴۱۳ھ حرم مدینہ طیبہ)

عروجِ بندگی

نہ گلوں سے مجھ کو مطلب نہ گلوں کے رنگ و بُو سے
کسی اور سمت کو ہے مری زندگی کا دھارا
جو گرے اِدھر زمیں پر مرے اشک کے ستارے
تو چمک اُٹھا فلک پر مری بندگی کا تارا

(کعبۃ اللہ کے سامنے۔ مکہ مکرمہ)

سبق دیتی ہے ہردم اہلِ دل کی داستاں مجھ کو

جہاں دے کر ملا ہے دل میں وہ جانِ جہاں مجھ کو
بہت خونِ تمنا سے ملا سُلطانِ جاں مجھ کو

نظر آتا ہے اپنے دل کا جب زخمِ نہاں مجھ کو
تو اپنا درد خود کرتا ہے مجبورِ بیاں مجھ کو

بیانِ دردِ دل آساں نہیں ہے دوستو لیکن
سبق دیتی ہے ہردم اہلِ دل کی داستاں مجھ کو

زبانِ عشق کی تاثیر اہلِ دل سے سُنتا ہوں
مگر مسحور کرتی ہے محبت بے زباں مجھ کو

قفس کی تیلیاں رنگین، دھوکہ دے نہیں سکتیں
کہ ہردم مضطرب رکھتی ہے یادِ گلستاں مجھ کو

مری صحرا نوردی اور میری چاک دامانی
بہت مجبور کرتی ہے مری آہ وفغاں مجھ کو

کہاں تک ضبطِ غم ہو دوستو راہِ محبت میں
سُنانے دو تم اپنی بزم میں میرا بیاں مجھ کو

ملا کرتی ہے نسبت اہلِ نسبت ہی سے اے اختؔر
زباں سے ان کی ملتا ہے بیانِ دُر فشاں مجھ کو

(۸ فروری ۹۴ء، جنوبی افریقہ)

موت کا کارنامہ

قضا کے بعد ہوئی سرد نفس کی دُنیا
نہ حُسن وعشق کے جھگڑے نہ مال ودولت کے

میری زندگی کا پہلا شعر

دردِ فرقت سے مرا دل اس قدر بے تاب ہے
جیسے تپتی ریت میں اک ماہیِ بے آب ہے

دلِ پُر آرزو رکھتے ہوئے بے آرزو رہنا

حقیقت میں تو رہنا ہے یہی با حق وضو رہنا
کوئی رہنے میں رہنا ہے یہ محوِ رنگ و بُو رہنا

علامت جذبِ پنہاں کی یہی معلوم ہوتی ہے
تری خاطر مری ہر سانس وقفِ جستجو رہنا

یہ دعوت بے زباں بھی ہے مگر آتش فشاں بھی ہے
گریباں چاک ہو کر عشقِ حق میں کو بہ کو رہنا

حقیقت بندگی کی ہے یہی اے دوستو سُن لو
دلِ پُر آرزو رکھتے ہُوئے بے آرزو رہنا

مرے احبابِ مجلس سے کوئی پوچھے مزہ اس کا
بشرحِ دردِ دل اختر کا محوِ گفتگو رہنا

آہ صحرا ہو مبارک ترے دیوانوں کو

ہم نے دیکھا ہے ترے چاک گریبانوں کو
آتشِ غم سے چھلکتے ہوئے پیمانوں کو
ہم نے دیکھا ہے ترے سوختہ سامانوں کو
سوزشِ غم سے تڑپتے ہوئے پروانوں کو
ہم فدا کرنے کو ہیں دولتِ کونین ابھی
تو نے بخشا ہے جو غم ان پھٹے دامانوں کو
خلوتِ غارِ حرا سے ہے طلوعِ خورشید
کیا سمجھتے ہو تم اے دوستو ویرانوں کو
اہلِ دُنیا تو چمن میں ہیں گلوں کے بندے
ان کے دیوانے تو جاتے ہیں بیابانوں کو
اہلِ دُنیا کو ہے راس آئی یہ فانی دُنیا
نعرۂ عشق و محبت ترے مستانوں کو
حُسنِ فانی بُتاں پر مرے کرگس لیکن
آہ صحرا ہو مُبارک ترے دیوانوں کو
ہم نے دیوانوں سے سیکھی ہے محبت اخترؔ
ہائے یہ درد کہاں ملتا ہے فرزانوں کو

(۲۰ فروری ۹۴ء۔ جنوبی افریقہ میں آخری پانچ اشعار کا اضافہ)

★

مائلِ غم زندگی دیگراں کرتے ہیں ہم

درد دل سے جب کبھی آہ و فغاں کرتے ہیں ہم
اپنی آنکھوں سے بھی اِک دریا رواں کرتے ہیں ہم

اپنے سجدوں سے زمیں کو آسماں کرتے ہیں ہم
اپنے اشکوں کو بھی رشکِ کہکشاں کرتے ہیں ہم

خاکِ تن میں دردِ دل کو جب نہاں کرتے ہیں ہم
اپنے آب و گل کو رشکِ آسماں کرتے ہیں ہم

ان کے غم کی رفعتوں کو یوں بیاں کرتے ہیں ہم
مائلِ غم زندگیِ دیگراں کرتے ہیں ہم

اپنے ہر غم کو فدائے جانِ جاں کرتے ہیں ہم
اس طرح سے اپنے غم کو جاوداں کرتے ہیں ہم

راز درد دل کبھی دل میں نہاں کرتے ہیں ہم
بر سرِ منبر کبھی اس کو بیاں کرتے ہیں ہم

اپنا صحرا ان کے غم سے گلستاں کرتے ہیں ہم
اور خارستاں کو رشکِ بوستاں کرتے ہیں ہم

اہل دل کی صحبتوں سے اخترِ خستہ کو بھی
دل ملا ایسا کہ شرحِ دل بیاں کرتے ہیں ہم

جمعِ ضدین خوشی و غم

رضائے دوست کی خاطر یہ حوصلے ان کے
دلوں پہ زخم ہیں پھر بھی یہ مسکراتے ہیں
عجیب مظہرِ اضداد ہیں ترے عاشق
خوشی میں روتے ہیں اور غم میں مسکراتے ہیں

اللہ اللہ عشق کی یہ بے زبانی دیکھئے

ہے زباں خاموش اور آنکھوں سے ہے دریا رواں
اللہ اللہ عشق کی یہ بے زبانی دیکھئے

حشر سے پہلے نہیں کرتے ہیں وعدہ دید کا
رَبِّ ارنی پر جلال لن ترانی دیکھئے

لب خموشانِ محبت کی نگاہ پاک سے
اِک نظر میں مردہ دل کی زندگانی دیکھئے

عاشقانِ زرد رو کی چشمِ نم میں صبحدم
ان کے جلووں کا یہ رنگِ ارغوانی دیکھئے

جلوہ گاہِ حق دل عارف کی آہِ گرم میں
بارگاہِ کبریا کی ترجمانی دیکھئے

یوں تو عاشق بے زباں معلوم ہوتا ہے مگر
عشق کی تفسیر میں جادو بیانی دیکھئے

عاشقوں کا منبرِ دل پر بیانِ دردِ دل
وعظ میں آمیزشِ دردِ نہانی دیکھئے

داستانِ زخمِ دل اختر چھپاتا تھا مگر
روزِ محشر داغِ دل کی گل فشانی دیکھئے

جی اُٹھو گے تم اگر بسمل ہوئے

*

سینکڑوں غم سے ملی ان کو نجات جو تمہارے درد کے حامل ہوئے

تم نہیں حاصل تو کچھ حاصل نہیں تم ہوئے حاصل تو سب حاصل ہوئے

آپ تک لائی جو موجِ رنج و غم اس پہ قرباں سینکڑوں ساحل ہوئے

دردِ عشقِ حق بھی تم حاصل کرو لاکھ تم عالم ہوئے فاضل ہوئے

یک زمانے صحبتے با اولیاء جس نے پائی ہے وہی کامل ہوئے

آشنائے درد جان سوختہ دیکھ کر رندوں میں ہم شامل ہوئے

دیکھتے ہی دل مرا گھبرا گیا زاھدانِ خشک جب نازل ہوئے

اختر بسمل کی تم باتیں سنو
جی اُٹھو گے تم اگر بسمل ہوئے

نہیں آتے نظر لیکن پَرِ پرواز آہوں کے

محبت تیرا صدقہ ہے ثمر ہیں تیرے نازوں کے
جو مَیں یہ نشر کرتا ہوں خزانے تیرے رازوں کے

زمیں پر ہیں مگر کیا رابطہ ہے عرشِ اعظم سے
نہیں آتے نظر لیکن پَرِ پرواز آہوں کے

جدھر دیکھو فدا ہے عشق فانی حُسن فانی پر
فدا اللہ پر ہیں قلب و جاں اللہ والوں کے

تجھے دھوکہ نہ دے فانی بتوں کی عارضی رنگت
کبھی دیکھو گے تم قبروں میں ابتر حال لاشوں کے

جو اہلِ دل کے جوتوں سے لگے ہیں خاک کے ذرّے
شرف حاصل ہے ان کو موتیوں پر تاجِ شاہوں کے

چمن میں جیسی ہوتی ہے عنادل کی پذیرائی

کہیں وہ مرتبے ہوتے ہیں صحراؤں میں زاغوں کے

وہ سب کے ساتھ رہ کر بھی خدا کے ساتھ رہتے ہیں

مگر کچھ اہل دل ہی آشنا ہیں ایسے رازوں کے

وہ کرگس جو کسی مردہ پہ ہوتا ہے فدا اختر

وہ کیا جانے کہ کیا رتبے ہیں ان کے شاہبازوں کے

(۱۳ر شعبان ۱۴۱۴ھ، ۲۶ر جنوری ۱۹۹۴ء، دبئی تا نیروبی طیارہ میں)

پریشانیٔ حسن و شادانیٔ دیوانۂ حق

ہر حسن مجھے خواب پریشاں نظر آیا

دیوانۂ حق بس مجھے شاداں نظر آیا

چھایا ہے جب سے دل پہ تری یاد کا عالم

ہر ذرہ مجھے منزل جاناں نظر آیا

مجھے تو یہ جہاں بے آسماں معلوم ہوتا ہے

☆

گناہوں سے جو ظالم شادماں معلوم ہوتا ہے
مٹانا نفس کا اس کو گراں معلوم ہوتا ہے

جو ڈرتا ہے خدا کی راہ میں خونِ تمنا سے
وہ ظالم تنگِ روباہِ جہاں معلوم ہوتا ہے

جو کرلے نفس امارہ کو قابو میں تو وہ سالک
فقیری میں بھی سلطانِ جہاں معلوم ہوتا ہے

یہ خاکی ذکر کی برکت سے ہے فوق السماء لیکن
زمیں پر بھی نزولِ آسماں معلوم ہوتا ہے

دوامِ ذکر سے سُنتا ہوں مل جاتی ہے وہ نسبت
کہ ان کو بھولنا کوہِ گراں معلوم ہوتا ہے

گذرتا ہے کبھی دل پر وہ غم جس کی کرامت سے
مجھے تو یہ جہاں بے آسماں معلوم ہوتا ہے

حقیقت میں ترا ہی آستاں داتا ہے عالم کا
مگر اسباب کا پردہ یہاں معلوم ہوتا ہے

کرم ہے دل پہ مالک کا بہ فیضِ مرشدِ کامل
کہ ہر ذرہ یہاں ان کا نشاں معلوم ہوتا ہے

چمن میں جس کی تھی تنقید ہر دم ہر نشیمن پر
دھواں دیتا اسی کا آشیاں معلوم ہوتا ہے

ہمارے نالۂ دردِ محبت پر تعجب کیا
یہ انعامِ نگاہِ بزرگاں معلوم ہوتا ہے

خدا کے فضل سے نسبت جسے حاصل ہوئی اختر
پھر اس کا فیض فیضِ بے کراں معلوم ہوتا ہے

قرب کیا جانے جو دیدہ اشک باریدہ نہیں

احتسابِ روزِ محشر سے جو لرزیدہ نہیں
ایسے ظالم نفس میں انجام بیں دیدہ نہیں

عشق ظالم سے یہ ناممکن ہے وہ صابر رہے
پھر تعجب کیا جو دردِ عشق سنجیدہ نہیں

کس قدر مسرور ہیں اللہ والے ذکر سے
کوئی بھی ان کے سوا دُنیا میں خندیدہ نہیں

نام روشن کر گئے مر کر کے حق پر عارفیں
مر گئے جو مرنے والوں پر وہ حق دیدہ نہیں

پا لیا جس نے خدا کو پا لیا سارا جہاں
کون کہتا ہے کہ اہلِ دل جہاں دیدہ نہیں

لذتِ قربِ ندامت گریہ و زاری میں ہے
قرب کیا جانے جو دیدہ اشک باریدہ نہیں

جس کو استغفار کی توفیق حاصل ہو گئی
پھر نہیں جائز یہ کہنا کہ وہ بخشیدہ نہیں

جب بصارت کی حفاظت سے بصیرت مل گئی
ہو کے نادیدہ بھی اس کی آنکھ نادیدہ نہیں

برکتِ تقویٰ سے جس کے ساتھ ہے فضلِ خدا
اس کے پیچیدہ مسائل کوئی پیچیدہ نہیں

اہلِ دل کی صحبتوں سے جو حقیقت بیں ہُوا
لذّتِ دُنیائے فانی کا وہ گرویدہ نہیں

روزِ محشر اے خُدا رُسوا نہ کرنا فضل سے
کہ ہمارا حال تجھ پر کوئی پوشیدہ نہیں

کیفِ تسلیم و رضا سے ہے بہارِ بے خزاں
صدمہ و غم میں بھی اخترؔ رُوح رنجیدہ نہیں

❋

(۲۳ شعبان ۱۴۱۴ھ جنوبی افریقہ)

میرے طوفانوں میں بھی ساحل رہے

دردِ دل کے فیض یوں شامل رہے
میرے طوفانوں میں بھی ساحل رہے

آہ جو محروم دردِ دل رہے
ان کے آب و گل بس آب و گل رہے

بعض ناداں عمر بھر قائل رہے
فائدہ کیا جب نہ وہ گھائل رہے

جو بھی اہل اللہ سے تھے بدگماں
عمر بھر نا بالغِ منزل رہے

علم کا پندار جن کے دل میں تھا
ہو کے قابل بھی وہ نا قابل رہے

دامن رہبر تھا جن کے ہاتھ میں
بس وہ رہرو فائزِ منزل رہے

عمر بھر پیتے رہے جو خونِ دل
راہ الفت میں وہی کامل رہے

راہ حق میں گو بلا آتی رہی
میرے نالے حاصلِ منزل رہے

میرا جو غم دافعِ غفلت ہوا
آپ کے غم میں وہ غم شامل رہے

داستانِ دردِ اختر سنو
جس طرح دُنیا میں اہلِ دل رہے

حقیقتِ خانقاہ

اہلِ دل کے دل سے نکلے آہ آہ
بس وہی اخترؔ ہے اصلی خانقاہ

دل نہ وقفِ غمِ مجاز کرو

ناز چھوڑو سرِ نیاز کرو　　نفس کو اپنے شاہباز کرو

ان کا دامن اگرچہ دُور سہی　　ہاتھ اپنا بھی تم دراز کرو

حُسنِ فانی سے کیوں ہے سرگوشی　　مُنہ سراپا سکوتِ راز کرو

ان حسینوں پہ ڈال کر نظریں　　دل نہ وقفِ غمِ مجاز کرو

حُسن فانی سے کر کے صرفِ نظر　　چشم دل کو تم اپنی باز کرو

کیمیا کی بھی کیا حقیقت ہے　　خوفِ حق سے جو دل گداز کرو

نفرتوں کے یہ تذکرے کب تک　　واعظو! وعظِ دل نواز کرو

دوستو! اہل دل کی صحبت سے　　روح کو آشنائے راز کرو

ہر نفس ذکرِ حق کرو اختر
غفلتوں سے نہ ساز باز کرو

کیا اثر ہے تری داستاں میں

گر نہ ہو درد دل قلب و جاں میں | کیا اثر ہو گا اس کے بیاں میں
لذت ذکر ہے قلب و جاں میں | کیسی لذت ہے آہ و فغاں میں
حُسن فانی پہ جو بھی مرا ہے | ہے ندامت اسے دو جہاں میں
درس عبرت ہے چشم عنادل | کس طرح غم زدہ ہے خزاں میں
حیفِ حسرت ہو یا کیفِ عشرت | خواب ہے خواب سا اس جہاں میں
قلب جن کا تھا ننگ بیاباں | ان کا شہرہ ہے اب گلستاں میں
آپ کے قرب کا کیفِ لذت | ہے کہاں عشرت دو جہاں میں
آہ نکلی ہے بے چین ہو کر | کیا اثر ہے تری داستاں میں
بال میں آگئی جب سفیدی | کچھ نہیں چہرۂ ارغواں میں
اس جوانی کو پیری میں دیکھا | راکھ تھی راکھ آتش فشاں میں
مجھ کو دھوکہ نہ دے رنگِ گلشن | آہ صحرا بھی ہے گلستاں میں
حاصلِ زندگی ہے یہ اختر | ہر نفس یاد اُن کی ہو جاں میں

عالم خاک ہے آسماں میں

ان کی منزل کبھی گلستاں میں
اور کبھی غم کے کوہ گراں میں

تربیت کا یہ راز نہاں ہے
خار بھی تو ہیں اس گلستاں میں

نغمہ زن ہے بہاروں میں بلبل
اور کبھی چشم نم ہے خزاں میں

عبدیت کا توازن ہے قائم
صبر سے شکر سے اس جہاں میں

دونوں مرکب سے چل کر کے سالک
جا پہنچتا ہے باغ جناں میں

ہے خوشی یاں تو غم بھی ہے اے دل
ایک حالت نہیں اس جہاں میں

ہاں مگر ان کا اک ذرۂ غم
ہر نفس مست رکھتا ہے جاں میں

کیف پایا ہے دونوں جہاں کا
میں نے عاشق کے دردِ نہاں میں

آب و گل میں اگر دردِ دل ہے
عالمِ خاک ہے آسماں میں

ان کی یادوں کے صدقے میں اختر
پُر سکوں زندگی ہے جہاں میں

انقلابِ زندگی

خوبرویوں سے ملا کرتے تھے میر
اب ملا کرتے ہیں اہل اللہ سے
مت کرے تحقیر کوئی میر کی
رابطہ رکھتے ہیں اب اللہ سے

فدا ان پر کرو ہر لمحہ جاں کو

نہیں پائے گا جو زخمِ نہاں کو — وہ کیا جانے گا پھر آہ و فغاں کو
ترستا ہے وہ تاثیرِ بیاں کو — نہ پائے جو محبت کی زباں کو
نہ پاؤ گے خدا کی بندگی سے — جو حاصل ہے گروہِ عاشقاں کو
مٹا دے نفسِ امارہ کو اے دل — اُٹھا دیں گے حجابِ آسماں کو
یہ ہے ہر لمحہ فرمانِ محبت — فدا ان پر کرو ہر لمحہ جاں کو
نہ پاؤ گے کبھی جامِ محبت — نہ ڈھونڈو گے اگر پیرِ مغاں کو
گناہوں سے نہ باز آئے اگر تم — عطا نسبت نہ ہوگی قلب و جاں کو
جو صحرا میں ہے سناٹے کا عالم — کہاں حاصل ہے یہ خُو گلستاں کو
خداوندا مجھے توفیق دے دے — فدا کردوں میں تجھ پر اپنی جاں کو
گنہگاروں کے اشکوں کی بلندی — کہاں حاصل ہے اختر کہکشاں کو

کبھی رابطہ ہے آہ سحر سے

کبھی تو درد دل، درد جگر سے
کبھی ہے رابطہ آہ سحر سے

نہ ہو دل میں تری یادوں کا جلوہ
تو پھر کیا فائدہ شمس و قمر سے

نہیں محتاج درد دل زباں کا
وہ خود ظاہر ہے اپنی چشم تر سے

اگر تو چاہتا ہے ان کی منزل
نکل خوف اگر، خوف مگر سے

ملا ہے جب سے لطفِ آہِ صحرا
کہاں وہ ربط ہے پھر اپنے گھر سے

خدا کے نور ہی سے دل ہے روشن
ستاروں سے نہ خورشید و قمر سے

اگر طوفاں کی زد میں ہے سفینہ
دُعا مانگے خدائے بحر و بر سے

ہر اک مجبور ہے آہ و فغاں پر
بیاں کرتا ہوں جب زخم جگر سے

زباں سے تو بیاں کرتا ہے لیکن
ہوئی نسبت کی بارش بھی نظر سے

چھپاتا ہے وہ اپنا درد نسبت
مگر مجبور ہے اپنی نظر سے

جو اُن کی یاد سے غافل ہے اختؔر
ملے گا کیا اسے شام و سحر سے

(جنوری ۹۴ء جنوبی افریقہ)

★

مَیں پوچھوں گا شہیدوں کے لہو سے

کوئی پوچھے گلوں کے رنگ و بُو سے

مَیں پوچھوں گا شہیدوں کے لہُو سے

وفا کی راہ مت پوچھو خِرد سے

مگر عاشق کی راہِ جُستجو سے

ملی تاثیر بھی آہِ سحر کو

رکیا ہے رابطہ جب حق وھُو سے

نہیں ہوتی ہے تکمیلِ محبّت

مگر اے دوست خونِ آرزو سے

محبّت ہو خُدا کی یا نبی کی

کوئی سیکھے صحابہؓ کے لہُو سے

کہاں لگتا ہے دل ان عاشقوں کا

اُنہیں مطلب ہے اپنی ہاء و ھُو سے

نہ پہنچا منزلِ عشقِ خُدا تک

لگایا جس نے دل کو غیرِ ھُو سے

اگر رہنا ہے اخترؔ اُن کا بن کر

لگانا دل نہ فانی خوب رُو سے

نئے جام و مینا عطا ہو رہے ہیں

جو ہر دم خُدا پر فِدا ہو رہے ہیں
وہ فانی بتوں سے جُدا ہو رہے ہیں
وہ خمر کہن تو قوی تر ہے لیکن
نئے جام و مینا عطا ہو رہے ہیں
کبھی قلب دے کر کبھی جان دے کر
رہِ عشق میں با وفا ہو رہے ہیں
خوشی اپنی اُن کی خوشی پر لُٹا کر
ہم اب اہل صدق و صفا ہو رہے ہیں
کبھی پی رہے ہیں لہو آرزو کا
مٹا کر خودی با خُدا ہو رہے ہیں
تجھے ہوں مُبارک یہ اشکِ ندامت
نئے باب اُلفت کے وا ہو رہے ہیں
یہ شانِ کرم ہے کہ نالائقوں پر
کرم ان کے ہر دم عطا ہو رہے ہیں
محبت کی اختر کرامت تو دیکھو
کہ سُلطان ہو کر گدا ہو رہے ہیں

مجھ کو طوفانوں میں بھی ساحل دیا

ان کی جانب رفتہ رفتہ لے چلا ۔۔۔ میری کشتی کا مرا غم ناخدا

خونِ حسرت پی کے وہ عشرت ملی ۔۔۔ عیش دو عالم ہوا جس پر فدا

میری حسرت کی بہاروں کو نہ پوچھ ۔۔۔ اہلِ عشرت بن گئے میرے گدا

سب کی عشرت دل سے باہر ہو گئی ۔۔۔ میری حسرت میرے دل میں ہے سدا

بے وفا عشرت ہے یا حسرت ہے میر ۔۔۔ سوچ کر خود فیصلہ کر لو ذرا

ان کی رحمت میر پر سایہ فگن ۔۔۔ گو بظاہر میر ہے غم میں پڑا

خواجگی ان کی ہماری بندگی ۔۔۔ جس طرح پالیں تو ان پر رہ فدا

خنجرِ تسلیم سے اے دوستو ۔۔۔ ہو رہی ہے غیب سے صد جاں عطا

اہلِ ظاہر کو خبر اس کی نہیں ۔۔۔ جانِ حسرت کو ہے جو عشرت عطا

عشرتیں تو دشمنوں کو بھی ملیں ۔۔۔ عاشقوں کو اپنا غم بخشا سدا

ساری دنیا کے مزے فانی ملے ۔۔۔ غیر فانی مجھ کو تیرا غم ملا

قبر کی جانب ہیں جن کی منزلیں ۔۔۔ مستند ان کو نہ تو اپنا بنا

دشمنوں کو عیشِ آب و گل دیا ۔۔۔ دوستوں کو اپنا دردِ دل دیا

ان کو ساحل پر بھی طغیانی ملی ۔۔۔ مجھ کو طوفانوں میں بھی ساحل دیا

آتشِ غم کی ترجمانی ہے

حُسن فانی ہے عشق فانی ہے　　کون کہتا ہے جاودانی ہے

وقفہ وقفہ سے آہ کی آواز　　آتشِ غم کی ترجمانی ہے

کیا بھروسہ مجازِ عالم کا　　عشق ان کا ہی غیر فانی ہے

راہِ تقویٰ کے غم کا کیا کہنا　　دوستو! رشکِ شادمانی ہے

خونِ حسرت سے آہ و نالوں سے　　اپنی دُنیا الگ بنانی ہے

اپنی خوشیوں کے خون سے اے دل　　شمعِ ایمان کی جلانی ہے

آہ سے اور چشمِ تر سے آہ　　کیسی تقریرِ بے زبانی ہے

دردِ نسبت کی دوستو تدبیر　　ہر نفس دل کی پاسبانی ہے

مشغلہ اہلِ دل کا اے اخترؔ　　باغِ ایماں کی باغبانی ہے

پاگئی جانِ سلطانِ جاں کو

پائے گا جو بھی قطبِ زماں کو — پائے گا جان میں جانِ جاں کو
جانے کیا تاجِ سلطانیت بھی — لذتِ قربِ آہ و فغاں کو
اپنے مالک پہ کر لو بھروسہ — چھوڑ دو فکرِ ایں فکرِ آں کو
جانیں کیا ماہ و خورشید و انجم — جو دیا حق نے بندوں کی جاں کو
پالیا کر کے ترکِ تمنا — مطلعِ قربِ خورشیدِ جاں کو
آہ فیضِ غلامیِ مرشد! — پاگئی جانِ سلطانِ جاں کو
دونوں عالم سے پاؤ گے بہتر — لذتِ نامِ ربِ جہاں کو
جانیں کیا اہلِ غفلت جہاں میں — قربِ اہلِ محبت کی شاں کو

لذتِ آہِ صحرا کی اختر
کیا خبر بلبلِ گلستاں کو

نکھرتا ہے کہیں رنگِ گلستاں باغبانی سے

اگر پانی نہ پائیں گُل یہ ابرِ آسمانی سے
نکھرتا ہے کہیں رنگِ گلستاں باغبانی سے

اسے لندن کے رنگِ گل کی کچھ حاجت نہیں ہوتی
جسے ملتا ہے دردِ دل خدا کی مہربانی سے

نہ دیکھو ان نمک پاروں کو تم ہرگز نہیں دیکھو
کہ یہ تشنہ لبی جاتی نہیں نمکین پانی سے

نہیں برباد کرتا ہے وہ اپنے دیدہ و دل کو
ملی نسبت جسے قلب و نظر کی پاسبانی سے

بہ فیضِ ذکرِ حق جو کیفِ ذاکر دل میں پاتا ہے
کہاں ممکن ہے پائے گا وہ فانی گلفشانی سے

اگر دردِ محبت دل میں واعظ کے نہیں اختر
حقیقت پا نہیں سکتے ہو اس کی خوش بیانی سے

(ہانگ سے بلیک برن جاتے ہوئے۔ ۱۰ ستمبر ۱۹۹۳ء)

☆

رضائے حق میں اپنی آرزو ہر وقت فانی ہو

کسی عاشق کی جب بھی داستاں اس کی زبانی ہو
تو اہل دل کے اشکوں سے نہ کیوں پھر قدر دانی ہو

اسے تقویٰ کا اور نسبت کا پھل ملنا یقینی ہے
کہ جس کے باغ دل میں اہل دل سے باغبانی ہو

جو دردِ دل سے اور آہوں سے اور اشکوں سے مخبر ہو
کرے شرح محبت پھر نہ کیوں جادو بیانی ہو

ولایت اہل دل کی صحبتوں سے گو میسر ہے
مگر یہ شرط ہے قلب و نظر کی پاسبانی ہو

نہیں آساں ہے اسرار محبت کو بیاں کرنا
مگر واعظ کے دل کو بھی تو حاصل راز دانی ہو

ملا کرتا ہے دردِ دل بڑی خونِ تمنا سے
رضائے حق میں اپنی آرزو ہر وقت فانی ہو

فدا لیکن ہے اس ذرہ پہ ہفت اقلیم کی دولت
بصورت درد دل دل میں اگر درد نہانی ہو

ہزاروں غم اُٹھائے جس نے ان کی راہ میں اختؔر
نہ کیوں پھر دکھ بھری اے دوستو اس کی کہانی ہو
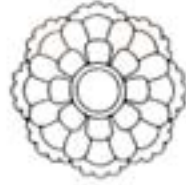
گرم بازاری عشق

اشکہائے خون سے جب چشم تر کرتا ہوں میں
عشق کا بازار دل میں گرم تر کرتا ہوں میں
جب بتانِ حُسن سے صرف نظر کرتا ہوں میں
درد کی لذت سے راہ عشق سر کرتا ہوں میں
کر کے خون آرزو خون جگر کرتا ہوں میں
اپنی آہوں کا اثر یوں تیز تر کرتا ہوں میں
ہر قدم پر تاکہ حاصل ہو حیاتِ نو مجھے
ہر قدم پر زیر خنجر اپنا سر کرتا ہوں میں

چمن میں ہوں مگر آہ بیابانی نہیں جاتی

چمن میں ہوں مگر آہ بیابانی نہیں جاتی
یہ کیا آتش ہے آہوں کی فراوانی نہیں جاتی

میں گلشن میں ہوں لیکن فیض ہے یہ شیخ کامل کا
کہ میرے قلب سے خُوئے بیابانی نہیں جاتی

نہ جانے کتنی نہریں میرے دریا سے ہوئیں جاری
مگر پھر بھی مرے دریا کی طغیانی نہیں جاتی

رفو کرتا ہے دامن کو اگرچہ ان کا دیوانہ
گریباں سے مگر چاک گریبانی نہیں جاتی

مزاجِ عقل کو الفت ہے اپنے ساز و سامان سے
مزاجِ عشق سے بے ساز و سامانی نہیں جاتی

خرد کہتی ہے باتیں مختصر کر اُن سے اے ناداں
محبت کی مگر تمہید طولانی نہیں جاتی

نہیں کرتا ہے صدق دل سے توبہ جو گناہوں سے
کسی بھی حال میں اس کی پریشانی نہیں جاتی

مرے دریائے اُلفت کا عجب ساحل ہے اے اختر
کہ ساحل پر بھی ان موجوں کی طغیانی نہیں جاتی

(ری یونین ۲۶ ربیع الاوّل ۱۴۱۳ھ ۱۳ ستمبر ۹۲ء)

کسی مخلص کی ضایع کوئی قربانی نہیں جاتی

کسی مخلص کی ضایع کوئی قربانی نہیں جاتی
کسی کے قلب سے جو آہِ پنہانی نہیں جاتی

اگرچہ معاف کر دیتے ہیں وہ اپنی محبت سے
مگر میں کیا کروں میری پشیمانی نہیں جاتی

بتوں کی بے وفائی کا کیا ہے تجربہ تو نے
مگر اے نفس پھر بھی تیری نادانی نہیں جاتی

ترا بچپن یہ پچپن میں مجھے حیرت ہے اے ناداں
بڑھاپے میں بھی تیری خوئے طفلانی نہیں جاتی

عجب فُرویش ہیں تیرے کہ گدڑی پوش ہو کر بھی
بہ فیضِ نورِ نسبت شان سلطانی نہیں جاتی

محبت میں کبھی ایسے بھی دن آتے ہیں اے اختؔر
کہ رونے پر بھی غم کی اشکباری نہیں جاتی

(لندن ۱۶ ستمبر ۱۹۹۴ء)

لباسِ فقر میں بھی شانِ سلطانی نہیں جاتی

کبھی گو شانِ دردِ دل کی پہچانی نہیں جاتی
رُخِ عارف سے لیکن شانِ تابانی نہیں جاتی

زمانہ ہوگیا گلشن میں رہتا ہوں مگر پھر بھی
مری فطرت سے کیوں خوئے بیابانی نہیں جاتی

ہزاروں شاخ میں تقسیم کر ڈالا محبت نے
مگر پھر بھی مرے دریا کی طغیانی نہیں جاتی

ہزاروں فتنۂ دلکش میں ہوتے ہیں گھرے لیکن
جو ربانی ہیں ان کی شانِ ربانی نہیں جاتی

عناصر مضمحل پیری سے اہل اللہ کے بھی ہیں
مگر چہرہ سے ان کے پھر بھی تابانی نہیں جاتی

اُٹھا جاتا نہیں ہے بے سہارے پھر بھی یہ کیا ہے
کہ ان کے قلب سے مستی و جولانی نہیں جاتی

بظاہر فقر ہے دامن میں لیکن کیا ہے باطن میں
کہ جس سے پھر بھی ان کی شان سلطانی نہیں جاتی

گئے تھے بھول مرشد پھولپوری نام بھی اپنا
حضورِ حق میں اپنی ذات پہچانی نہیں جاتی

کہوں میں کس طرح سے شان ان اللہ والوں کی
لباسِ فقر میں بھی شان سلطانی نہیں جاتی

محبت کی کرامت میں نے اختر یہ بھی دیکھی ہے
لباسِ عقل میں بھی چاک دامانی نہیں جاتی

(ری یونین - ۱۳ ستمبر ۱۹۹۳ء)

آہ میرے شباب کا عالم | اور دل کے کباب کا عالم
تھا مگر سب سراب کا عالم | لب دریا حباب کا عالم

کسی کے در پہ تو یارب یہ پشیمانی نہیں جاتی

کبھی حسرت کے سر سے اس کی حیرانی نہیں جاتی
کوئی سمجھائے پھر بھی دل کی حیرانی نہیں جاتی

مگر دل کے تقاضوں سے جو توبہ کی کسی دل نے
تو دل سے قربِ ربانی کی تابانی نہیں جاتی

خدا کے فضل کا سایہ جنہیں حاصل نہیں ہوتا
یہ دیکھا ہے کہ ان کی خوئے شیطانی نہیں جاتی

بہ فیضِ مرشدِ کامل ملا جو فضلِ رحمانی
تو پھر اس نفسِ امارہ کی کچھ مانی نہیں جاتی

بتوں کی بے وفائی کا ہوا ہے تجربہ تجھ کو
مگر اس تجربہ سے تیری نادانی نہیں جاتی

حسینوں کی نگاہوں میں کسی کی پارسائی سے
بہ جرمِ عشق نفسانی پشیمانی نہیں جاتی

خرد نے گو کیا ہے میرے دامن کو رفو ہر دم
مگر کیوں عشق کی یہ چاک دامانی نہیں جاتی

گناہوں پر ندامت سے یہ توبہ کی کرامت ہے
کہ تائب سے کبھی ان کی مہربانی نہیں جاتی

ہمارا مرکزِ امیدِ رحمت آپ کا در ہے
کسی کے در پہ تو یارب یہ پیشانی نہیں جاتی

مرے دل کو جو بخشی تو نے آہوں کی فراوانی
مگر حاسد سے میری آہ پہچانی نہیں جاتی

مرے مالک کرم سے آپ نے جس پر نگہ ڈالی
پھر اُس کی بندگی سے شانِ ربانی نہیں جاتی

کبھی مشکل میں بھی پڑتا ہے اختر تو بحمد اللہ
خدا کے فضل سے اُمید پنہانی نہیں جاتی

(بعد نصف شب ۲۰ ربیع الاول ۱۴۱۷ھ، ۶ اگست ۹۶ء، کراچی)

مجھ کو جینے کا سہارا چاہیے

مجھ کو جینے کا سہارا چاہیے
غم تمہارا دل ہمارا چاہیے

بحرِ اُلفت کا کنارا چاہیے
سر ہمارا در تمہارا چاہیے

غم میں بس ان کو پکارا چاہیے
ان کے ہوتے کیا سہارا چاہیے

لذت فریاد طوفانوں میں ہے
کون کہتا ہے کنارا چاہیے

حاصل ساحل مجھے طوفاں میں ہے
تیرے جلووں کا نظارا چاہیے

اپنی آہوں سے درِ جاناں پہ پھر
اپنی بگڑی کو سنوارا چاہیے

آپ پر ہر دم فدا ہو میری جاں
غیر کی مجھ کو نہ پروا چاہیے

دست بکشا جانب زنبیل ما
میرے سر کو تیرا سودا چاہیے

اختر خستہ و دُور افتادہ کو
ان کی رحمت کا بلاوا چاہیے

گریۂ بے کار

بعض فانی و مُردہ لاشوں پر
میر کو پڑھتے فاتحہ دیکھا
اور ان اشک ہائے الفت کے
ضایع ہونے کا سانحہ دیکھا

نعرۂ مستانہ مارا چاہیے

زندگی کو یوں گذارا چاہیے — نعرۂ مستانہ مارا چاہیے
آہ و نالوں کا سہارا چاہیے — اور کوئی غم کا مارا چاہیے
فرطِ غم سے جس کے دن کٹتے نہ ہوں — مجھ کو ایسا ماہ پارا[1] چاہیے
ہر نفس پیتا ہو خونِ آرزو — ایسا دیوانہ خدا را چاہیے
قتل کرتی ہو جسے ششیرِ عشق — ہاں شہید زندہ ایسا چاہیے
اب تو تنہائی سے گھبراتا ہے دل — کوئی عشرت غم کا مارا چاہیے
غم کے دو مارے کہاں نالہ کریں — کوئی دریا کا کنارا چاہیے
گلستاں ہو یا بیاباں ہو مگر — تیرے ہی غم کا سہارا چاہیے
حسرتوں سے بھاگتی ہے کائنات — میری حسرت کو پکارا چاہیے
سارا عالم رو کش عشرت ہوا — میری حسرت کا نظارا چاہیے

زندگی جو زندگی سے دور ہو
دل میں اس کے تیر مارا چاہیے

[1] حسن باطنی رکھنے والا یعنی صاحب نسبت، اللہ والا۔

جان دے دی مَیں نے اُن کے نام پر

جان دے دی مَیں نے اُن کے نام پر

عشق نے سوچا نہ کچھ انجام پر

بیر مت مرنا کسی گلفام پر

خاک ڈالو گے انہیں اجسام پر

رشک سب کرتے ہیں اس ناکام پر

جی رہا ہوں مَیں تمہارے نام پر

تُف ہے یارو طالبِ اکرام پر

مَیں فدا ہوں عاشقِ بدنام پر

لڑ رہے ہو ان سے کیوں دشنام پر

رکھتا پردہ ہے تمہارے کام پر

کیا تعجب ہے ترے دشنام پر

اور کیا برسے گا اس بدنام پر

کیوں فدا ہے سیر تو آرام پر

عشق ہوتا ہے فدا آلام پر

تقدیر بدل جاتی ہے مضطر کی دعا سے

کشتی کا ناخدا ابھی ہے مشغول خدا سے
پالا پڑا ہے کیا اسے طوفان بلا سے
سنتا ہوں شب و روز یہ موجوں کی صدا سے
غالب ہے قضا ہم پہ تری آہ و بکا سے
عاصی جو کرے نالہ و فریاد خُدا سے
ممکن نہیں دوچار ہو محشر میں سزا سے
مایوس نہ ہوں اہل زمیں اپنی خطا سے
تقدیر بدل جاتی ہے مضطر کی دُعا سے
جب تک کہ نہ ہو آشنا تسلیم و رضا سے
زاہد کو مزہ آئے گا کیا اس کی جفا سے
پاتی ہے نظر ذوق نظر میری ندا سے
پاتا ہے جگر زخم جگر میری نوا سے
او بے خبر و بدگماں ! رندوں کی وفا سے
دیوانہ اگر پھرتا ہوں میں تیری بلا سے
پروردۂ نعمت کو بھی اس راہ جفا سے
اختر تجھے مانوس بنانا ہے دُعا سے

تیرے عاشق کو لوگوں نے سمجھا ہے کم

سارے عالم کو خاطر میں لائے نہ ہم
جانے کیا پا گئے جانِ عالم سے ہم

صبحِ گلشن نہ ہو کیوں مری شامِ غم
غم ہی میں پا گئے آپ کو بھی تو ہم

لب ہیں خنداں جگر میں ترا درد و غم
تیرے عاشق کو لوگوں نے سمجھا ہے کم

میرا مقصود ہرگز نہیں کیف و کم
تیری مرضی پہ سر میرا تسلیم خم

ہو رہا ہے ترا درد کیوں بیش و کم
رازدارِ محبت سے پوچھیں گے ہم

تھمتے تھمتے اگر اشک جائیں گے تھم
آتشِ غم مرے دل میں ہو گی نہ کم

☆

اپنے مالک کو راضی کریں خوب ہم

جس کے دل میں نہیں ہے ترا درد و غم
ہو کے انساں نہیں جانور سے وہ کم

دوستو سُن لو تم کچھ مری داستاں
ایک دن پھر نہیں ہوں گے دُنیا میں ہم

خاکِ تن میں نہیں ہے اگر دردِ دل
کوئی قیمت نہیں خاک ہیں صرف ہم

دو جہاں میں کوئی میری قیمت نہیں
ہاں اگر آپ کی ہو نگاہِ کرم

صحبتِ اہلِ دل سے ملا دردِ دل
ورنہ پاتے کہاں سے یہ دولت بھی ہم

دردِ دل سیکھنا ہے اگر دوستو
ساتھ میرے رہو پھر سکھائیں گے ہم

سارے ارض و سما اور شمس و قمر
دیکھ کر پا گئے اپنے خالق کو ہم

دل کے ملنے کی ہے بات کچھ اور ہی
ساتھ رہتے ہیں گو ایک مدت سے ہم

سختیاں شیخ کی ہیں فنا کے لیے
مت سمجھ مت سمجھ اس کو ہرگز ستم

اخترِ بے نوا کی صدائیں سنو
اپنے مالک کو راضی کریں خوب ہم

(ری یونین ۱۹۹۳ء)

مہربانی سے دستگیری کی — داستاں سُن مری فقیری کی
تھک گیا جب بھی راہ میں اخترؔ — لاج رکھ لی ہے اس نے پیری کی

کراچی سے لندن جاتے ہوئے طیارہ میں ۱۶؍ ربیع الثانی ۱۴۱۶ھ ۱۲؍ ستمبر ۹۵ء

عشق جب بے زباں ہوتا ہے

عشق جب بے زباں ہوتا ہے
رشکِ صد ہا بیاں ہوتا ہے

سر بوقت سجود عارف کا
فوقِ ہفت آسماں ہوتا ہے

درد دل کا زبانِ بسمل سے
آہ کیسا بیاں ہوتا ہے

فیض مرشد سے ہو گیا محروم
جب کوئی بد گماں ہوتا ہے

جو محافظ نہیں نظر کا آہ!
زیر تیر و کماں ہوتا ہے

کیسے پائے گا قرب کی منزل
جب کوئی وقفِ ناں ہوتا ہے

دیکھ لو شانِ فیض پیغمبرؐ
شتر باں حکمراں ہوتا ہے

منزل قرب سے جو گذرے گا
منزلوں کا نشاں ہوتا ہے

سارا عالم کرے گا کیا اخترؔ
جس پہ حق مہرباں ہوتا ہے

دردِ دل کا امام ہوتا ہے

جذب جس کا امام ہوتا ہے — راہ میں تیز گام ہوتا ہے
دل سے ان کا غلام ہوتا ہے — عشق جس کا امام ہوتا ہے
جس کا رہبر نہ ہو تو پھر اس کا — نفس بھی بے لگام ہوتا ہے
دوستو دردِ دل کی مسجد میں — درد ، دل کا امام ہوتا ہے
یہ کرامت ہے شیخِ کامل کی — فیض طالب کا عام ہوتا ہے
رائیگاں آہ تو نہیں ہوتی — فضل اس پر بھی تام ہوتا ہے
کار فرما تو لطف ہے ان کا — ہم غلاموں کا نام ہوتا ہے
عالمِ غیب کے ہیں جام و سبو — جام ان کا ہی جام ہوتا ہے
گر نہ ہو دوستو کرم ان کا — عمر بھر عشق خام ہوتا ہے
اشکباری پہ فضلِ باری ہو — تب کہیں جا کے کام ہوتا ہے
گر مربی نہ ہو کوئی اس کا — عشق بھی بے نظام ہوتا ہے
ذکر و تقویٰ کے نور سے اخترؔ — نورِ نسبت تمام ہوتا ہے

گر خدا چاہئے تو پہلے عاشقِ ابرار ہو

عشق کا اے دوستو! ہم سب کا یہ معیار ہو
متبعِ سُنّت ہو اور بدعت سے بھی بیزار ہو

اتباعِ سُنّتِ نبوی سے دل سرشار ہو
نُورِ تقویٰ سے سراپا حاملِ انوار ہو

عاشقِ کامل کی بس ہے یہ علامت کاملہ
جاں فدا کرنے کو ہر دم سر بکف تیار ہو

عشقِ سُنّت کی علامت ہر نَفَس سے ہو عیاں
خواہ وہ رفتار ہو، گفتار ہو، کردار ہو

صحبتِ مُرشد سے نسبت تو عطا ہو گی مگر
اجتنابِ معصیت ہو ذکر کی تکرار ہو

عشقِ کامل کی علامت یہ سُنا کرتا ہوں میں
آشنائے یار ہو، بے گانۂ اغیار ہو

ہے یہی مرضی خدا کی ہم مٹا دیں نفس کو
گرچہ وہ سارے جہاں کا بھی کوئی سردار ہو

اس کی صحبت سے نہیں کچھ فائدہ ہوگا کبھی
بے عمل کوئی محبت کا علمبردار ہو

جب کسی بندہ پہ ہوتا ہے خدا کا فضلِ خاص
دم میں وہ ذوالنور ہوگا گرچہ وہ ذوالنار ہو

عمر بھر کا تجربہ اختر کا ہے یہ دوستو
گر خدا چاہے تو پہلے عاشقِ ابرار ہو

فیضِ شیخِ کامل

مری رسوائیوں پر آسماں رویا زمیں روئی
مری ذلت کا لیکن آپ نے نقشہ بدل ڈالا
بہت مشکل تھا میرے نفسِ امارہ کا چت ہونا
تری تدبیر الہامی نے اس کا سر کچل ڈالا

رحمت کا تری سر پہ مرے آبشار ہو

سجدہ میں سر ہو چشم بھی یوں اشکبار ہو
رحمت کا تری سر پہ مرے آبشار ہو

غالب نہ نفس پر کبھی شہوت کی نار ہو
دل میں نہ مرے غیر کا کوئی بھی خار ہو

میرے لبوں پہ ذکر ترا بار بار ہو
پھر دل بہ فیضِ ذکر مرا پُربہار ہو

ہم سب کو تیری یاد سے حاصل قرار ہو
دل بھولنے سے تجھ کو بہت بے قرار ہو

ہر اِک گناہ سے مجھے یارب فرار ہو
یک لمحہ عاصیوں میں نہ میرا شمار ہو

بستی ہو یا چمن ہو کہ وہ کوہسار ہو
جاؤں جدھر بھی دل مرا تجھ پر نثار ہو

اپنے کرم سے بھیک مجھے مغفرت کی دے
بندہ ترا حشر میں نہ یہ شرمسار ہو

یارب ترے کرم سے یہ کچھ بھی نہیں بعید
رحمت بروزِ حشر تری بے شمار ہو

عاصی اگر ہو متقی ترکِ گناہ سے
پھر تاجِ ولایت کا وہی تاجدار ہو

یارب فدا ہو تجھ پہ اس اختر کا ہر نفس
توفیق ایسی آپ کی لیل و نہار ہو

(ذوالحجہ ۱۴۱۲ھ کراچی)

زندگی کے دو رُخ

گئی وہ بھول جمالِ رُخِ مہ و انجم
مری نظر جو رُخِ آفتاب سے گذری
یہ کائنات اسے تنگ تھی بہ ایں وسعت
کوئی حیات جو اس کے عتاب سے گذری

جام و مینا کی ہے فراوانی

جس پہ ہوتا ہے فضلِ رحمانی
ترک کرتا ہے کارِ شیطانی

دوستو دردِ دل کی دولت کو
دل میں پاتے ہیں صرف ربّانی

حاملِ دردِ اہلِ نسبت کو
خلق کہتی ہے دل سے یزدانی

شیخ کامل سے جو ہے مستغنی
پائے گا کیسے ظلِّ رحمانی

فسق کرتا ہے دُور منزل سے
پیر تیرا ہو گرچہ لاثانی

فیض مُرشد کی یہ کرامت ہے
کوئی رومی ہے کوئی خاقانی

مَست رکھتی ہے سارے عالم سے
دل میں لذتِ دردِ پنہانی

کیا حلاوت ہے اس کے جینے میں
جس کو ملتا ہے جامِ عرفانی

میر میرے دلِ شکستہ میں
جام و مینا کی ہے فراوانی

رنگ دیکھو تو بزمِ عارف کا
کیسی مستی ہے کیسی جولانی

رشک کرتے ہیں اہلِ ساحل سب
دیکھ کر موجِ دل کی طغیانی

رند پاتا ہے خانقاہوں سے
اپنے ایماں میں کیفِ احسانی

جب ملا دردِ خونِ حسرت سے
کیا کہوں اس کا ذوقِ ایمانی

صحبتِ اہلِ دل کی برکت سے
دل میں اختر ہے کیسی تابانی

(کراچی۔ شب ۱۴، ربیع الثانی ۱۴۱۶ھ)

میں نے غم بھی بہت اُٹھائے ہیں

داغ حسرت سے دل سجائے ہیں
تب کہیں جا کے ان کو پائے ہیں

قلب میں جس کے جب وہ آئے ہیں
اپنا عالم الگ سجائے ہیں

ان حسینوں سے دل بچانے میں
مَیں نے غم بھی بہت اُٹھائے ہیں

حُسنِ فانی کے چکروں میں میر
کتنے لوگوں نے دن گنوائے ہیں

شکل بگڑی تو بھاگ نکلے دوست
جن کو پہلے غزل سُنائے ہیں

منزلِ قرب یوں نہیں ملتی
زخمِ حسرت ہزار کھائے ہیں

کام بنتا ہے فضل سے اختر
فضل کا آسرا لگائے ہیں

اُڑ گیا رنگ حُسن فانی کا

جن کا نقشہ تھا کل جوانی کا — ہے لقب آج نانا نانی کا

کیسا دیکھا تھا ہو گئے کیسے — کیا بھروسہ ہے اس جوانی کا

مل گئے خاک قبر میں کتنے — ناز تھا جن کو زندگانی کا

یہ جہاں گر گیا نگاہوں سے — جب کھلا حال دارِ فانی کا

میر اب دل کو کس سے بہلائے — اُڑ گیا رنگ حُسن فانی کا

دل لگا بس خُدا سے اے ظالم — خوف کر موت ناگہانی کا

شیخ کامل کے فیض سے دل ہے — حاملِ کیفِ جاودانی کا

خاک تن کو عطا ہو ان کا غم — ہے صلہ ان کی مہربانی کا

حال دیکھو تو اللہ والوں پر — مستیِ خمرِ آسمانی کا

سُن لو قصہ زبانِ اختر سے — اس کے دل کے غمِ نہانی کا

ہے عجم اس کا پھر مدینے میں

میر[1] رہتا تھا جو نگینے میں

دیکھو بیٹھا ہے کس سفینے میں

زندگی گر فدا ہے مالک پر

کیا حلاوت ہے اس کے جینے میں

بے بیانی بھی ہے بیاں اس کا

دردِ نسبت ہے جس کے سینے میں

ہے خفا جس سے پالنے والا

کوئی جینا ہے اس کا جینے میں

دوستو سب کرم ہے مالک کا

خوبیاں کیا ہیں اس کمینے میں

راہِ سُنّت پہ جو چلے اختر

ہے عجم اس کا پھر مدینے میں

(ربیع الثانی ۱۴۱۶ھ مطابق ۵ ستمبر ۹۵ کراچی)

[1] مُراد احقر ہے جس کا وطن نگینہ ضلع بجنور ہے۔ احقر اس نعمت عظمیٰ کا اگر ساری عمر کروڑوں بار شکر ادا کرے کہ حضرت والا مجھ جیسے ناپاک کو اشعار میں مخاطب فرماتے ہیں تو حقِ شکر ادا نہیں ہو سکتا۔

(احقر میر عفا اللہ عنہ) والحمد للہ الذی بنعمتہ تتم الصالحات

میر مرنا نہ حسنِ فانی پر

میر مرنا نہ حسنِ فانی پر
حسنِ فانی کے رنگ فانی پر

جس کا پانی بدلنے والا ہو
میر مرنا نہ ایسے پانی پر

ہے گلستاں میں جس سے شادابی
ہوں فدا اس کی باغبانی پر

جو جوانی فدا خدا پر ہو
میں ہوں قربان اس جوانی پر

دل فدا اپنے رب پہ کر اخترؔ
کر بھروسہ نہ زندگانی پر

خاک پر منزلِ آسماں مل گئی

رخصتِ دردِ عشقِ بُتاں مل گئی　　قربتِ صاحبِ آسماں مل گئی

نسبتِ اولیائے زماں مل گئی　　دولتِ فیضِ پیرِ مغاں مل گئی

ان کی یادوں کی آہ و فغاں مل گئی　　دوستو! دولتِ دو جہاں مل گئی

راہ میں صحبتِ رہبراں مل گئی　　خاک پر منزلِ آسماں مل گئی

دامنِ کوہ میں دامنِ فقر میں　　لذتِ قربِ سلطانِ جاں مل گئی

مل گئی جب سے توفیقِ ذکرِ خدا　　روح کو راحتِ دو جہاں مل گئی

ربطِ گلشن کی کیا یہ کرامت نہیں　　دشت میں راحتِ آشیاں مل گئی

ان کی خاطر اٹھایا جو حسرت کا غم　　روح کو عشرتِ دو جہاں مل گئی

صحبتِ شیخِ کامل سے اختؔر کو بھی
لذتِ راہِ ربِ جہاں مل گئی

(ری یونین ۲ ستمبر ۱۹۹۳ء)

آہ و نالوں سے مٹ گئے ظلمات

آہ و نالوں سے مٹ گئے ظلمات　　ان کی یادوں سے مل گئے نفحات

ہر نفس میر ان سے باتیں ہیں　　ان کے عاشق کے ہیں یہی درجات

غیر فانی بہار عشرت ہے　　تلخ حسرت کے ہیں یہی ثمرات

میر کہتے ہیں سرد آہوں پر　　گرمی وصل کی ملی سوغات

کس قدر تلخیاں ہیں غیروں میں　　کاش اپنوں میں رہتے ہم ہیہات

مرنے والوں پہ مرنے والوں پر　　سینکڑوں غم ہیں سینکڑوں آفات

کاش مرتے ہم اپنے خالق پر　　اور پاتے ہم ان سے انعامات

نار شہوت کو نور حق سے بجھا

پیر رومی کے ہیں یہ ارشادات

وہی لمحہ بہارِ زندگی ہے

غمِ پنہاں متاعِ زندگی ہے
رموزِ عاشقی و بندگی ہے

مری آنکھوں کی ٹھنڈک جانِ عالم!
تری چوکھٹ پہ سر افگندگی ہے

متاعِ ہر دو عالم اس کو حاصل
جسے حاصل کمالِ بندگی ہے

موانع نذر ہیں دستِ جنوں کے
بڑے ہی کام کی دیوانگی ہے

اگر بیگانگی ہے تجھ کو گُل سے
چمن میں بھی تجھے افسردگی ہے

جو ان کی یاد میں گذرا ہے اخترؔ
وہی لمحہ بہارِ زندگی ہے

رشک کرتا ہے زمیں پر آسماں

کیا کہوں میں دردِ دل کی داستاں — جس کی برکت سے ملی آہ و فغاں

ہو مبارک تجھ کو اے آہ و فغاں — ان کی جانب سے کرم پایا عیاں

جب سنو گے داستانِ عاشقاں — پھر ملے گی تم کو بزمِ دوستاں

دوستو یہ دردِ دل کا بوستاں — ہے عطائے دوست بہرِ دوستاں

جب زمیں پر روتے ہیں مستغفراں — رشک کرتا ہے زمیں پر آسماں

سیکڑوں جاں کی ہے بارش ہر زماں — ایسی جاں پر جو فدا ہو تجھ پہ یاں

جب بھی دیکھا ہے سکوتِ عاشقاں — ان کی خاموشی ہے رشکِ صد بیاں

جس کے آب و گل میں دردِ دل نہ ہو — جسمِ خاکی ہے فقط اے دوستاں

دل مرا مضطر رہے تیرے لیے — ہے یہی بس حاصلِ ہر دو جہاں

جب سے تیرا غم ملا ہے اے خدا — رہتا ہے ہر وقت اختر شادماں

(جنوبی افریقہ ۲۸ شعبان ۱۴۱۴ھ - ۱۰ فروری ۱۹۹۴ء)

تم نے دیکھی برکتِ آہ و فغاں

اہلِ ظاہر مبتلائے این و آں
قلبِ عارف عاشقِ ربِ جہاں

ہیں سلامت اہلِ دل کی کشتیاں
تم نے دیکھی برکتِ آہ و فغاں

جس نے دی غیرِ خدا پر اپنی جاں
عمر بھر پایا اسے نوحہ کناں

بے اثر ہے اہلِ ظاہر کا بیاں
بے زباں عاشق ہے رشکِ صد بیاں

ہاتھ پھیلائے کھڑے در پر ہیں یاں
کر نہ خالی ہاتھ واپس شاہِ جاں

دوست یادِ دوست میں گریہ کناں
عرشِ اعظم پر ہے ساکن اس کی جاں

آپ کا بے حد ہے اختؔر پر کرم
ورنہ یہ گھر آپ کا اور مَیں کہاں

(۵ رمضان المبارک ۱۴۲۱ھ جدہ)

صحبتے با اہل دل با عاشقاں

طائرِ خستہ کا خستہ آشیاں
کیوں حسد ہے اس سے تجھ کو باغباں

کر نظر اپنے عذابِ ظلم پر
لگ نہ جائے آہ ! آہِ بے کساں

طائرِ مسکیں کو گلشن میں نہ چھیڑ
سنگ دل کچھ سُن بھی فریاد و فغاں

جو نہیں ڈرتا ہے اپنے ظلم سے
اس کو پایا ہم نے ہر دم سرگراں

روئے زرد و آہ سرد و چشم تر
دوستو یہ ہے نشانِ عاشقاں

دردِ دل کے واسطے درمانِ دل
صحبتے با اہل دل با عاشقاں

جو بھی اخترؔ صاحبِ نسبت ہُوا
اُس کو پایا ہم نے ہر دم شادماں

(یکم رمضان المبارک ۱۴۳۱ھ نیرؔ)

حسرتیں دل کی ہیں دل میں میہماں

حسرتوں کے زخم سے ہے خوں رواں
عشق کا ہوتا ہے یوں ہی امتحاں
میرے خونِ آرزو کا یہ سماں
رو رہا ہے دیکھ کر کے آسماں
ہیں زمیں پر ایسی بھی کچھ ہستیاں
رشک جن پر کرتے ہیں کروبیاں
جس جگہ گرتا ہے خونِ آرزو
لے نہ لے بوسہ کہیں خود آسماں
بستیاں حسرت زدوں کی دیکھ لو
ان کی ویرانی میں ہے جنت نہاں
حسرتوں کے زخم سے ہے خوں رواں
اب نہ لو یارو ہمارا امتحاں
عشرتیں اختر ہیں دل سے دُور دُور
حسرتیں دل کی ہیں دل میں میہماں

چشمِ تر نعرۂ ھُو چاک گریباں پایا

عشقِ اصنام سے ہر دل کو پریشاں پایا
شکل بگڑی تو انہیں سخت پشیماں پایا

ذکر کے فیض سے دل رشکِ گلستاں پایا
اور غفلت سے گلستاں کو بیاباں پایا

رہِ تقویٰ کے غموں سے نہ تو گھبرا سالک
نفس کو غم ہو مگر روح کو شاداں پایا

نفس دشمن کے غموں سے جو تو گھبرائے ہے
لذتِ عشقِ خدا سے تجھے ناداں پایا

جس نے مرشد سے لیا خونِ تمنا کا سبق
اس کے دل میں ہمہ دم جلوۂ جاناں پایا

کیا کہوں آہ وہ مرشد تھا مرا کیا اختر
چشمِ تر نعرۂ ھُو چاک گریباں پایا

(کراچی - ۱۲ ربیع الاول ۱۴۲۱ھ بوقت تین بجے شب)

دعوتِ حق کے واسطے محفل دوستاں ملی

عشقِ بتاں کے کرب سے کلفت دو جہاں ملی
ذکرِ خدا کے نور سے فرحت دو جہاں ملی

اے مرے خالقِ جہاں تجھ پہ فدا ہو میری جاں
لذتِ ذکر سے ترے راحت دو جہاں ملی

جو بھی فدا ہے دوستو! خالقِ کائنات پر
اس کی خزاں میں بھی مجھے خوشبوئے بوستاں ملی

دیکھ کے میری چشمِ تر، سن کے ہماری آہ کو
ان کو ہمارے عشق کی مفت میں داستاں ملی

آپ کی یاد اے خدا حاصلِ کائنات ہے
آپ کے نام سے مجھے نعمت دو جہاں ملی

اخترؔ بے نوا کو بھی تیرے کرم سے اے خدا
دعوتِ حق کے واسطے محفل دوستاں ملی

(ری یونین، ۱۸، ربیع الاول ۱۴۱۴ھ ۶ ستمبر ۹۳ء)

اثر ظاہر ہُوا آہِ سحر کا

ہے بدلا رنگ دشمن کی نظر کا
اثر ظاہر ہُوا آہِ سحر کا

وہ آ کر میرے مجھ سے پوچھتے ہیں
میاں کیا حال ہے دردِ جگر کا

برنگ فق ملے تو میں نے پوچھا
کہاں ہے نور خورشید و قمر کا

ہو نق سی وہ صورت سامنے ہے
کبھی شہرہ تھا جس کے کروفر کا

پڑا پالا جسے عشقِ بُتاں سے
نہ پوچھو خون دل خون جگر کا

ملو تو جا کے اہل درد دل سے
عجب ہے کیف واں شام و سحر کا

سکون قلب ہے انعام اختر
حسینوں سے میاں صرفِ نظر کا

نہ کر توہین تو تاثیرِ آہِ بے زبانی کی

جسے بخشی ہے دولت حق نے اپنی رازدانی کی
محبت ہو نہیں سکتی اسے دُنیائے فانی کی

بَدلتا ہے کبھی جغرافیہ ایسا حسینوں کا
کہ تاریخیں بدل جاتی ہیں جس سے حُسن فانی کی

جنازہ حُسن کا جب دفن ہو پیری کی قبروں میں
سنوں کیا آہ ان کی داستاں عہدِ جوانی کی

میں اب تاریخ ان کے حُسن کی کس طرح دہراؤں
نہیں وقعت ہے کوئی حُسنِ رفتہ کی کہانی کی

نہ ہوتا بدگماں ناداں کبھی اہلِ محبت سے
جو ہوتی آگہی ظالم کو کچھ دردِ نہانی کی

رہا تا عمر وہ محروم اہلِ دل کی صحبت سے
کہ جس نے کبر کے باعث ہمیشہ بدگمانی کی

ہزاروں بستیاں ویران ہیں از آہ مظلوماں

نہ کر توہین تو تاثیرِ آہِ بے زبانی کی

نہیں پاتا شفا دکتور خود اپنی دواؤں سے

کرے ہے جستجو دکتور بھی دکتور ثانی کی

بدون صحبت مرشد تجھے کیسے شفا ہوگی

نہیں جب شیخ اول جستجو کر شیخ ثانی کی

ہمارے پھول پھل جو دیکھتے ہو دیکھنے والو

ہمارے شیخ نے اخترؔ کے دل میں باغبانی کی

(ری یونین - ۱۴ ستمبر ۱۹۹۲ء)

سیمین تن کو دے کر سیمین جاں خریدا

تن دفن ہے لحد میں جاں ہے فلک پہ تاباں

اس تن میں کیا دھرا ہے اک دن اسے فنا ہے

اس جان و تن کو لے کر چل میر سوئے جاناں

★

۴ محرم الحرام ۱۴۰۵ھ کو حضرت والا بعض خاص احباب کی دعوت پر ٹنڈو جام تشریف لے جا رہے تھے۔ یہ اشعار ریل میں وارد ہوئے۔

احقر میر عفا اللہ عنہ

حُسن سے جس کے میرؔ تھے سرشار
اس کی صورت سے اب ہیں کیوں بے زار

عشقِ فانی کے لطف خواب ہوئے
سر پہ ہے بارِ معصیت کا سوار

ان کی نظروں میں میرؔ ہیں رُسوا
دین و ایماں کیا تھا جن پہ نثار

میرؔ رہتے ہیں عشق کے بیمار
مجھ کو پاتے ہیں اپنا وہ تیمار

ان بُتوں کو نہ دیکھ تو زنہار
عقل کھو دے گا ورنہ تو اے یار

عِشق لے چل بجانب صحرا
حُسن والوں سے قلب ہے بے زار

مے کدہ میر کا ہے تُنڈو جام
اور صحرا وہاں کا ہے گُل زار

میر آفت ہے صورت گلفام
ترک صورت کرو یہ ہیں سب خار

ایسی عشرت کہ جس سے ہو کلفت
اپنی حسرت ہے اس سے بہتر یار

خار کھاتے ہیں میر کیوں گل سے
دے گی کیا ان کو وادی پُر خار

جب ملے مے حلال کی پی لے
پڑ نہ پیچھے حرام کے زنہار

چند حسرت بھرے دلوں کے ساتھ
خوب گذریں گے تیرے لیل و نہار

☆

ریل میں جب یہ اشعار حضرتِ والا تحریر فرما چکے تو احقر نے پرچہ لینے کے لیے ہاتھ بڑھایا تاکہ پڑھ سکوں تو حضرت والا نے اپنا دست مبارک کھینچ لیا اور برجستہ یہ شعر فرمایا ؎

دستِ درازِ میرؔ کو اس نے قلم کیا
پائیں گے میرؔ کس طرح زلفِ دراز کو

سبحان اللہ! حضرتِ والا کا یہ خاص اندازِ تربیت ہے جو محبت آمیز اور محبت سے لبریز ہوتا ہے اور حضرتِ والا کے مزاجِ محبت کا عکاس ہے جس کی برکت سے اہلِ محبت سالکین کے قلوب دُنیائے مجاز سے مستغنی ہوکر عشقِ حقیقی سے سرشار ہو جاتے ہیں ۔

(احقر میرؔ عفا اللہ عنہ)

مقامِ مومن

یہ زمین و آسماں شمس و قمر — میری خاطر ہے جہانِ بحر و بر
ہے مرے ہی واسطے ان کا وجود — میں نہ ہوں گا ہوں گے یہ زیر و زبر

میرے رکھے ہیں کیا نظاروں میں

میرے آہ بھی گلعذاروں میں
ہے کہاں چین بے قراروں میں

اِک حسیں ہو تو دل اسے دے دوں
سخت مشکل ہے ان ہزاروں میں

خونِ ارماں سے قلب رنگیں کر
میر رکھا ہے کیا نظاروں میں

ایک پل کو سکوں نہیں ملتا
دیکھ بلبل کو ان بہاروں میں

اپنے قلب و نظر بچا لینا
کون جیتا ہے ان سہاروں میں

دل خدا پر فدا کرو اختر
کچھ نہیں عارضی بہاروں میں

ے مُراد اہل اللہ ہیں

لب دریائے کوکا دامن

جو حسیں کل تھے رونق گلشن
لگ رہے ہیں وہ آج دشت و دمن

میں فدا قلب و جاں سے ان پر ہوں
جن کی صحبت سے دل ہوا روشن

رب ہے کافی مری حفاظت کو
لاکھ چاہے بُرا اگر دشمن

کر حفاظت نظر کی اے ظالم
کر نہ ویران قلب کا گلشن

حُسن فانی ہے گر نہ مانے تو
حُسن کو جا کے دیکھ در مدفن

یاد ان کی ہے چشم بھی ہے نم
لب دریا ہے کوہ کا دامن

مری قسمت کا ہے کیا کہنا
ہاتھ میں گر نبی کا ہو دامن

راہ حق کا ہر ایک خار اخترؔ
رشک ریحان و سنبل و سوسن

(ہفتہ، محرم الحرام ۱۴۱۵ - بن گراں ضلع باغ آزاد کشمیر)

انجامِ عشقِ مجازی اور عشقِ حقیقی

جہانِ رنگ و بو میں رنگ گوناگوں کا منظر تھا
مگر ہر اہلِ رنگ و بو کا حال رنگ ابتر تھا
نظامِ رنگ و بو سے ہو کے جو مافوق جیتا تھا
اسی مستِ خدا کا رنگ ہر دم رنگ خوشتر تھا

مبارک مجھے میری ویرانیاں ہیں

زباں سے تو اے دوست شہبازیاں ہیں
بہ باطن مگر آہ خفاشیاں ہیں

حقارت سے مت دیکھ ان عاصیوں کو
کہ توبہ کی برکت سے درباریاں ہیں

جو پرہیز کرتے نہیں معصیت سے
انہیں راہ میں سخت دشواریاں ہیں

گناہوں کے اسباب سے دور ہو گے
تو منزل میں ہر وقت آسانیاں ہیں

دوائے دل سالکاں عشق حق ہے
دلوں میں بہت گرچہ بیماریاں ہیں

رہ حق میں ہر غم سے کیوں ہے گریزاں
رہ عشق میں کب تن آسانیاں ہیں

یہ خونِ تمنا کا انعام دیکھو
جو ویرانیاں تھیں وہ آبادیاں ہیں

فدا ان کی مرضی پہ اپنی رضا کر
فقیری میں دیکھے گا سلطانیاں ہیں

ترے ہاتھ سے زیرِ تعمیر ہوں میں
مبارک مجھے میری ویرانیاں ہیں

جو پیتا ہے ہر وقت خونِ تمنا
اسی دل پہ نسبت کی تابانیاں ہیں

تجلی ہر اک دل کی ختر الگ ہے
مہربانیاں، جیسی قربانیاں ہیں

زمیں کو کام ہے کچھ آسماں سے

کیا ہے رابطہ آہ و فغاں سے
زمیں کو کام ہے کچھ آسماں سے

ندامت تجھ پہ ہو رحمت خدا کی
دلا دی مغفرت ربِ جہاں سے

تو کرے خوش خدائے گلستاں کو
نہیں پالا پڑے گا پھر خزاں سے

وہ چھا جاتا ہے ہر اہل لغت پر
بیاں کرتا ہے جو دردِ نہاں سے

اگر مطلوب ہے دردِ محبت
تعلق کر گروہ عاشقاں سے

ہزاروں غم اٹھا کر جانِ سالک
مقرب ہو گئی مولائے جاں سے

سنو پیغام اختر گوش دل سے
فدا ہو تم خدا پر قلب و جاں سے

کیا ہے ربط اپنے آسماں سے

گلوں سے ہے نہ ہم کو گلستاں سے
ہمارا کام ہے آہ و فغاں سے

لرزتی برق بھی ہے آشیاں سے
پڑا پالا ہے طائر کی فغاں سے

مری فریاد ہے اے ربِّ عالم
بچا مجھ کو بلائے دو جہاں سے

دلِ عشاق میں ہے آگ پنہاں
یقیں کرتا ہوں آہوں کے دھواں سے

یہ کیوں ہے سُرخ سجدہ گاہ عاشق
دُعا کرتے ہیں چشمِ خونفشاں سے

یہ ہے انعام تسلیم و رضا کا
کہ ہیں آزاد فکرِ این و آں سے

بہت خونِ تمنّا سے زمیں نے
کیا ہے ربط اپنے آسماں سے

یہ ہے توفیق بس اُن کے کرم سے
کہ ہے صرفِ نظر حُسنِ بُتاں سے

کرم ہے آپ کا اختؔر پہ یا رب
فِدا ہو آپ پر گر جسم و جاں سے

نہیں کچھ فائدہ اُس گلستاں سے

ہٹایا جس نے سر اُس آستاں سے
وہ ٹکرایا بلائے ناگہاں سے

گناہوں سے اگر توبہ نہیں کی
تو وہ محروم ہے دونوں جہاں سے

نہیں کرتا ہے جو رب کی اطاعت
وہ جیتا ہے حیاتِ رائگاں سے

اگر ناراض ہے وہ خالقِ کُل
تو کیا حاصل اُسے کون و مکاں سے

جہاں ہو گل کے بدلے خارِ صحرا
نہیں کچھ فائدہ اس گلستاں سے

نہ بُلبُل ہو نہ گُل ہو جس چمن میں
تو باز آیا میں ایسے بوستاں سے

خُدا سے گر نہیں ہے ربط اختؔر
عبث ہے ربط ماہ و اختراں سے

زمیں میری ہو جیسے آسماں میں

کہاں پھرتے ہو فکرِ ایزِ آں میں
کبھی آؤ تو بزمِ دوستاں میں

اگر ہے برق و باراں اس جہاں میں
کرو فریاد اپنے آشیاں میں

مزہ پاتے ہو کیوں اس کے بیاں میں
کوئی تو بات ہے دردِ نہاں میں

مزہ پایا جو صحرا کی فضا میں
نہیں پایا مزہ وہ گلستاں میں

وہ ظاہر ہو گیا اس کی زباں میں
اثر پنہاں تھا جو زخمِ نہاں میں

نہیں پایا چراغِ راہِ منزل
مگر بس عاشقوں کی داستاں میں

عطائے خالقِ دونوں جہاں ہے
اثر پاتے ہو جو میرے بیاں میں

رہے لپٹا گلوں کے دامنوں سے
اگرچہ خار ہے وہ گلستاں میں

سُنا تو سب نے میری داستاں کو
اثر پایا نگاہِ دوستاں میں

نہ پوچھو لذّتِ فریاد سجدہ
زمیں میری ہو جیسے آسماں میں

کوئی پوچھے یہ جا کر باغباں سے
گذرتی ہے تری کیسے خزاں میں

اگر ہے ربط خلاقِ چمن سے
تو اختر گُل لیے ہو گا خزاں میں

ذرا دیکھو تو فیضِ خانقاہی

مچا دے گی وہ باہی میں تباہی — نہ کرائے دوست ہرگز بدنگاہی
چٹائی پر ملے گا تختِ شاہی — اگر حاصل کرو عشقِ الٰہی
غضب سے تو اگر مغلوب ہوگا — بکے گی پھر زباں واہی تباہی
حسینوں سے اگر ملنا نہ چھوڑا — نہیں پہنچے گا دربارِ الٰہی
وہی پہنچا ہے دربارِ خدا میں — ملی ہے جس کو آہ سحر گاہی
ہوئے ہیں رند کتنے اولیا بھی — ذرا دیکھو تو فیضِ خانقاہی
کھلا کیا رازِ سلطانِ بلخ پر — فقیری لی ہے دے کر تاجِ شاہی
غذا اس نفسِ سرکش کی تو کم کر — نہ کھا ہر روز ظالم مرغ و ماہی
جو اہلِ دل کی صحبت میں رہے گا — وہی پائے گا بس عشقِ الٰہی
ملی اختر جسے نسبت خدا کی — مٹا دی اس نے باہی اور جاہی

ذرا دیکھو تو فیضِ خانقاہی

مچا دے گی وہ باہی میں تباہی
نہ کر اے دوست ہرگز بدنگاہی

چٹائی پر ملے گا تختِ شاہی
اگر حاصل کرو عشقِ الٰہی

غضب سے تو اگر مغلوب ہو گا
بکے گی پھر زباں واہی تباہی

حسینوں سے اگر ملنا نہ چھوڑا
نہیں پہنچے گا دربارِ الٰہی

وہی پہنچا ہے دربارِ خدا میں
ملی ہے جس کو آہِ سحر گاہی

ہُوئے ہیں رند کتنے اولیا بھی
ذرا دیکھو تو فیضِ خانقاہی

کھلا کیا رازِ سُلطانِ بلخ پر
فقیری لی ہے دے کر تاجِ شاہی

غذا اس نفسِ سرکش کی تو کم کر
نہ کھا ہر روز ظالم مُرغ و ماہی

جو اہلِ دل کی صحبت میں رہے گا
وہی پائے گا بس عشقِ الٰہی

ملی اختر جسے نسبت خدا کی
مٹا دی اس نے باہی اور جاہی

پھرتا ہوں دل میں دردِ محبت لیے ہوئے

ظاہر میں اہلِ دل ہیں گو حسرت لیے ہُوئے
باطن مگر ہے دولتِ نسبت لیے ہُوئے

مانا کہ سیرِ گلشنِ جنت تو دُور ہے
عارف ہے دل میں خالقِ جنت لیے ہُوئے

صحراؤں میں کبھی، کبھی دامانِ کوہ میں
پھرتا ہوں دل میں دردِ محبت لیے ہُوئے

اِک قلبِ شکستہ کے اور آہ و فغاں کے ساتھ
مَیں چل رہا ہوں مشعلِ سُنّت لیے ہُوئے

روئے زمیں پہ جو بھی ہے عہدِ وفا کے ساتھ
وہ ہر نفس ہے سایۂ رحمت لیے ہُوئے

جو بے وفا کہ نفس کا اپنے ہُوا غلام
جیتا ہے سر پہ سینکڑوں لعنت لیے ہُوئے

اپنے تو کیا ہیں غیر بھی کرتا ہے احترام
چہرہ پہ جو ہے داڑھی کی زینت لیے ہُوئے

اک میرِ خستہ حال بھی اخترؔ کے ساتھ ہے
گذرے ہے خوب عشق کی لذت لیے ہُوئے

(باٹلی (انگلینڈ)، ۶ ستمبر ۱۹۹۴ء)

انعامِ خونِ آرزو

جہانِ رنگ و بو میں ہر طرف بس آب و گل پایا
مگر عاشق کے آب و گل میں ہم نے دردِ دل پایا
ہمارے خونِ حسرت پر فلک رویا زمیں روئی
مگر اے دل مبارک ہو کہ تو نے دردِ دل پایا

پھرتا ہوں دل میں درد بھرا دل لیے ہوئے

پھرتا ہوں دل میں درد بھرا دل لیے ہوئے
اور ہر نفَس میں قربِ منازل لیے ہوئے

پھرتا ہے مجھ کو عشق لیے چاک گریباں
گرچہ خرد ہے طوق و سلاسل لیے ہوئے

جی چاہتا ہے ایسی جگہ میں رہوں جہاں
جیتا ہو کوئی درد بھرا دل لیے ہوئے

مانا کہ ہے طوفاں میں محبت کا سفینہ
لیکن ہے ساتھ لطف سواحل لیے ہوئے

غفلت کا ان کے دل پہ نہ کرنا کبھی گماں
ہنستے ہیں ایک درد بھرا دل لیے ہوئے

میں ڈھونڈتا ہوں تجھ کو محبت کہاں ہے تو
اک قلب شکستہ ترے قابل لیے ہُوئے

اخترؔ اسی کا فیض ہے عالم میں چار سُو
پھرتا ہے جو بھی دردبھرا دل لیے ہُوئے

(گلوشر (انگلینڈ) ۱۵؍ستمبر ۱۹۹۴ء)

نفس کے بندے

چین اک پل کو بھی دلوں میں نہیں
گردنوں میں عذاب کے پھندے
دفن کر کے جنازہ عزّت کا
خوار پھرتے ہیں نفس کے بندے

آہ و فغاں کا آسرا لیتی ہے جانِ ناتواں

دونوں جہان کی خوشی تیری خوشی میں ہے نہاں
دونوں جہان کا الم تیرے غضب میں ہے عیاں

دیکھ جہاں بھی تو دھواں آگ بھی ہے وہاں نہاں
کہتا ہوں بار بار میں سُنتا نہیں ہے بدگماں

آشیاں اہل دل کا ہے دیکھ نہ برق گر یہاں
تجھ سے وگرنہ انتقام لے گا ضرور آسماں

اے مرے خالقِ حیات تجھ پہ فدا ہو میری جاں
تیرے بیانِ حمد سے قاصر ہے یہ مرا بیاں

دیکھ کے اپنے ضعف کو اور قصورِ بندگی
آہ و فغاں کا آسرا لیتی ہے جانِ ناتواں

میری وفا ہے ناتمام دونوں جہاں میں اے خُدا
آپ کے نام پر اگر کردوں فدا میں دو جہاں

دل میں خدائے پاک کی لذت قرب کیا کہوں
جیسے مری زمیں ہے اور' اور ہے میرا آسماں

یارب ہماری آہ کو فضل سے کردے بااثر
سارے جہاں میں نشر ہو اخترؔ کی آہِ بے زباں

تدفینِ عشق

جس کے چہرے پہ میر مرتے تھے
سرد آہیں بھی میرؔ بھرتے تھے

کس نے جغرافیہ بدل ڈالا
عشق کو اپنے دفن کرتے تھے

مری آہِ دل کے یہی ہیں منازل

پہاڑوں کا دامن سمندر کا ساحل
مری آہ دل کے یہی ہیں منازل

جنازہ ہوا قبر میں آج داخل
ہوئی خاک تن آج مٹی میں شامل

ترا فیض ہے صحبت شیخ کامل!
ہُوا سب کا دل دردِ نسبت کا حامل

نہیں کوئی رہبر ہے راہِ جنوں کا
مگر سایۂ صحبتِ شیخ کامل

مرے دوستو ذکر کی برکتوں سے
سکینہ ہُوا دل پہ ہم سب کے نازل

عجب درد سے کس نے تفسیر کی ہے
کہ قرآں ہُوا آج ہی جیسے نازل

خُدا شیخ کو میرے رکھے سلامت
کہ ناقص ہُوئے اُن کی صحبت سے کامل

یہ اُمید ہے تیرے لطف و کرم سے
کہ اخترؔ بھی ہو اہلِ جنّت میں شامل

(ری یونین، اگست ۹۳ء)

انفاسِ زندگی کے جو اُن پر فدا ہوئے

انفاسِ زندگی کے جو اُن پر فدا ہوئے
شمس و قمر بھی سامنے ان کے گدا ہوئے

جس نے اٹھایا شیخ کے نازِ طریق کو
راہِ فنا سے رہبرِ راہِ خُدا ہوئے

دیکھا اسی کو فائزِ منزل سلوک میں
جو منزلِ مجاز سے بالکل جُدا ہوئے

پالا پڑا ہے جن کو تلاطم کی موج سے
گمراہ کشتیوں کے وہی ناخُدا ہوئے

تقریر میں اگر نہیں شامل ہے دردِ دل
صد ہا صدا کے ساتھ بھی وہ بے صدا ہوئے

راہِ وفا میں آہ جو فانی نہ ہو سکے
کہلاتے باخُدا بھی نہ وہ باخُدا ہوئے

اہلِ جنوں کی صحبتیں اخترؔ جنھیں ملیں
اہلِ خرد کو دیکھا کہ اُن پر فدا ہوئے

(یکم جولائی ۹۵ء کراچی)

ذرۂ دردو غم ترا دونوں جہاں سے کم نہیں

میری زبان حال بھی میرے بیاں سے کم نہیں
میرا سکوت عشق بھی میری زباں سے کم نہیں

یادِ خدا کا ہر نفس کون و مکاں سے کم نہیں
اہل وفا کا بوریا تخت شہاں سے کم نہیں

ان کے حضور میں مرے آنسو زباں سے کم نہیں
عشق کی بے زبانیاں لفظ و بیاں سے کم نہیں

دامن فقر میں مرے پنہاں ہے تاجِ قیصری
ذرۂ درد و غم ترا دونوں جہاں سے کم نہیں

فاش کیا ہے آہ نے زخم جگر کو بزم میں
لیکن ہماری آہ بھی زخمِ نہاں سے کم نہیں

کاشفِ رازِ دردِ دل یعنی یہ آہ عاشقاں
رہبر دیگراں ہے جب رازِ نہاں سے کم نہیں

میری ندامتیں رہیں کبر سے پاسباں مری
یعنی مرا نیاز بھی نازِ شہاں سے کم نہیں

اہلِ نفاق ہر گنہ جیسے مگس ہو ناک پر
مومن کے دل پہ ہر گنہ کوہِ گراں سے کم نہیں

رندوں کی آہ و زاریاں اختر خدا کو ہیں پسند
ان کا شکستہ دل بھی پھر کروبیاں سے کم نہیں

عشق کا کفن

مَیں نے جن کو سجن بنایا تھا
جن کو مَیں نے بھجن سنایا تھا
میرا ان کے سفید بالوں نے
عشق کا مرے کفن بنایا تھا

وسعتِ قلبِ عاشقاں ارض و سما سے کم نہیں

اشک روان عاشقاں نجم السما سے کم نہیں
ان کا یہ خون آرزو عہد وفا سے کم نہیں

جو ہے ادائے خواجگی پنہاں اسی میں ہے کرم
ان کی رضا بھی دوستو ان کی عطا سے کم نہیں

اُن کی نظر کے حوصلے رشکِ شہانِ کائنات
وسعت قلب عاشقاں ارض و سما سے کم نہیں

یا رب یہ درد دل ترا سارے مرض کی ہے دوا
ہے یہ مرض تری عطا جو کہ شفا سے کم نہیں

نفس کو کر دے تو فنا باقی رہے نہ کچھ انا
راہ میں ان کی ناز و کبر جور و جفا سے کم نہیں

یہ بھی کرم ہے آپ کا جس کا میں اہل بھی نہ تھا
یعنی جو دردِ دل دیا دونوں سرا سے کم نہیں

ان کی عطائے خواجگی میری ادائے بندگی
لیکن مرا قصور بھی میری ادا سے کم نہیں

جلوۂ حق کے سامنے حیرت سے بے زباں سہی
پھر بھی سکوتِ عشق کا اس کی صدا سے کم نہیں

اختؔر ہمارا دردِ دل بزم میں بے نوا سہی
لیکن کسی کی چشمِ نم اس کی نوا سے کم نہیں

محبت کا جنازہ

ان کے سر پر سفید بالوں کا
ایک دن تم تماشہ دیکھو گے
میر اس دن جنازۂ اُلفت کا
اپنے ہاتھوں سے دفن کر دو گے

قبروں میں جا کے دیکھ تو نقشِ بتانِ آب و گل

دونوں جہاں تباہ ہیں جس نے دیا ہے ان کو دل
ظالم نہ کر حیات کو نذرِ بُتانِ سنگ دل

قیمت حیات کی نہ تھی جب تک محض تھی آب و گل
لذت زندگی نہ پوچھ جب سے ملا ہے دردِ دل

خالق دل پہ دوستو جس نے فدا کیا ہے دل
کہتے ہیں اس کو اہل دل سارے جہاں کے اہل دل

قیمتِ زندگی مری تیری خوشی پہ منحصر
ورنہ ہے خاک تن مری ننگِ جہانِ آب و گل

دیکھ کسی کی خاک پر ہنستی نہ اپنی خاک کر
قبروں میں جا کے دیکھ تو نقشِ بتانِ آب و گل

شمع مجاز بجھ گئی عشق میں تاب و دم نہیں
غارت گرِ حیات پر غارت نہ کر حیاتِ دل

فانی بتوں کا غم نہ کر دیکھ یہ غم ہے عارضی
فرحت دو جہاں جو ہے اس غم جاوداں سے مل

رہتا ہے بدگمان کیوں جہل سے اپنے دُور دُور
جا کے کبھی تو ایک بار حضرتِ اہلِ دل سے مل

دل کو ملا ہے درد دل صحبتِ اہلِ درد سے
ورنہ تھا ناشناسِ درد اخترؔ ہمارا آب و گل

انجام حسن فانی

کسی گلفام کو کفنا رہا ہوں
جنازہ حُسن کا دفنا رہا ہوں
لگانا دل کا ان فانی بتوں سے
عبث ہے، دل کو یہ سمجھا رہا ہوں

عمر بھر حاملِ دردِ پنہاں رہے

سینکڑوں زخمِ حسرت میں شاداں رہے
سینکڑوں غم میں بھی ہم غزل خواں رہے

کیا یہ تسلیمِ سَر کی کرامت نہیں
صد خزاں میں بھی رشکِ گلستاں رہے

خالقِ گل سے جن کو نہیں ربط تھا
وسطِ گلشن میں بھی وہ پریشاں رہے

ہو خزاں یا بہارِ چمن دوستو
عاشقِ مرضیِ جانِ جاناں رہے

حُسنِ فانی پہ برباد کی زندگی
عُمر بھر آہ ایسے بھی ناداں رہے

حُسنِ رفتہ سے ہر اہلِ دل خوش ہُوا
خوب رخصت ملی جو پریشاں رہے

اخترِ ارض ہو اخترِ آسماں
عمر بھر گربتوں سے گریزاں رہے

دردِ دل کی کرامت سے یہ اہلِ دل
منزلِ قربِ حق میں نمایاں رہے

چشم غمازِ اسرارِ نسبت رہی
عمر بھر حاملِ دردِ پنہاں رہے

اخترِ بے نوا کی نصیحت سُنو
اپنی لغزش پہ ہر دم پشیماں رہے

بے ثباتیٔ حُسنِ مجاز

بال کالے سفید ہوتے ہیں — کچھ بھروسہ نہیں جوانی کا
کھا کے کیڑوں نے خاک کرڈالا — کیا بھروسہ ہے حُسن فانی کا

غنچۂ تسلیم کا شگفتہ ہے

قلب عارف اگر شکستہ ہے
پھر بھی رشکِ گلِ شگفتہ ہے

گرمیٔ بزم دوستاں ظاھر
گرمیٔ دل مگر نہفتہ ہے

ان کی مرضی سے ہے بہار و خزاں
غنچۂ تسلیم کا شگفتہ ہے

جو بھی کوئے مجاز سے گذرا
اس کو دیکھا کہ حال خستہ ہے

روح سے سیرِ عالمِ بالا
جسم سے خاک پر نشستہ ہے

ان کو پایا ہے صاحبِ نسبت
اہلِ نسبت سے جن کو رشتہ ہے

نفس ظالم سے بدگماں رہنا
گرچہ لگتا ہو یہ فرشتہ ہے

دوستو اب ہو فکر مستقبل
جو گذشتہ ہے وہ گذشتہ ہے

حُسن فانی سے بھاگ نکلے گا
عشق جو آج دست بستہ ہے

حُسن فانی پہ جو مرا اختر
ہو کے عالی بھی سخت پستہ ہے

حقیقتِ حُسنِ مجاز

اس کا چہرہ اگرچہ نمکدار ہے
جسم اس کا اگرچہ چمکدار ہے
میر ظاہر میں بے شک وہ گلزار ہے
لیکن اندر غلاظت کی بھرمار ہے

غنچے گل خنداں ہیں چمن پر ہے کیا نکھار

غنچے گل خنداں ہیں چمن پر ہے کیا نکھار
اے باد صبا تیرے کرم کی ہے یہ بہار

گلشن ہے تیرے فیض کا ہر لمحہ رازدار
باد نسیم شکریہ تیرا ہے بار بار

آنکھیں خدا کے خوف سے جن کی ہیں اشکبار
در اصل ہیں وہ رحمت باری کی آبشار

یہ فیض باغباں ہے کوئی دیکھے انقلاب
جو خار چمن تھے وہ ہوئے آج گلعذار

وہ خوش نصیب جن کے مقدر میں ہے نجات
محشر کے خوف سے وہی روتے ہیں زار زار

کیا کیمیا ہے دوستو مرشد کا فیض بھی
وہ آج شیخ وقت ہیں جو کل تھے بادہ خوار

رہنا ہے چین سے تو بتوں سے بچا نظر
ورنہ نظر سے قلب و جگر ہوگا بے قرار

ہے عشقِ مجازی کا صلہ کس قدر بُرا
ہر ایک دوسرے کی نظر میں ہُوا ہے خوار

اختر وہی حیات حقیقت میں ہے حیات
جو خالقِ حیات پہ ہر لحظہ ہو نثار

(۲۶، محرم الحرام ۱۴۱۵ھ کراچی)

فریبِ حُسنِ عارضی

کبھی جب سبزہ آغازِ جواں تھا
تو سالارِ گروہِ دلبراں تھا
بڑھاپے میں اسے دیکھا گیا جب
کسی کا جیسے وہ نانا میاں تھا

تعلیم احتراز

از عشقِ مجاز

محبت بڑھا کے نہ پٹ جائیے گا
محبت سے پہلے ہی ہٹ جائیے گا

نہ مانے تو پھر میرؔ پچھتائیے گا
لہو اپنی آنکھوں سے برسائیے گا

کبھی آئیے گا کبھی جائیے گا
نہ لیکن کسی کَل سکوں پائیے گا

سوا غم کے ہرگز نہ کچھ پائیے گا
ستم مفت میں جان پر ڈھائیے گا

بالآخر چمن میں خزاں پائیے گا
مگر زندگی پھر کہاں لائیے گا

یہ مانا کہ اس بُت پہ مَر جائیے گا
مگر سیّد مر کر کے کیا پائیے گا

کبھی حُسن رفتہ سے شرمائیے گا
ندامت سے اے سیّد گڑ جائیے گا

یہ لب اور زلفِ سیہ اور چہرہ
خبر ہے کہاں سے کہاں جائیے گا

نہ بن آئے گی لاکھ پچھتائیے گا
خود اپنے کیے کی سزا پائیے گا

فراریانِ حُسن

مونچھوں کے زیرِ سایہ لبِ یار چھُپ گئے
داڑھی کے زیرِ سایہ وہ رُخسار چھُپ گئے
بالوں کی سفیدی میں زلفِ یار چھُپ گئے
جو یارِ حُسن کے تھے وہ سب یار چھُپ گئے

صراحی جب ہوئی خالی مزاجِ ساغراں بدلا

☆

اُدھر جغرافیہ بدلا اِدھر تاریخ داں بدلا
جوانی جب نہیں باقی جوانی کا نشاں بدلا

خزاں نے آکے رنگِ گل و رنگِ گلستاں بدلا
صراحی جب ہوئی خالی مزاجِ ساغراں بدلا

بڑھاپے سے جوانی کا وہ رنگِ ارغواں بدلا
گنہگاروں کا طرزِ گریہ و آہ و فغاں بدلا

نگاہوں کا وہ طرزِ سحر اور تیر و کماں بدلا
جہانِ حُسن بدلا اور حسینوں کا جہاں بدلا

یہ ظالم نفسِ امارہ نے جب دامِ بتاں بدلا
تو مَیں نے بابِ تقویٰ پر بھی فوراً پاسباں بدلا

گناہوں سے جو توبہ کی تو غفلت کا جہاں بدلا
زمیں عاصی کی بدلی اور اس کا آسماں بدلا

دلِ ناداں نے جب سے آہ ان کا آستاں بدلا
جہانِ کرب و غم دیکھا جہانِ شادماں بدلا

تعجب کیا جو دُنیا کالعدم ہے نگہ عارف میں
فلک پر مہر تاباں سے جہانِ اختراں بدلا

تجلی ان کی دل میں منکشف اختر ہوئی جس کے
نگاہوں میں مہ و خورشید و انجم کا سماں بدلا

آثارِ نسبت مع اللہ

خورشید عطا ہوتا نظر آتا ہے مجھ کو
مفقود ہوا جاتا ہے انجم کا تحسّر

ظلمت ہے کہاں اس کا تصور بھی نہیں ہے
خورشید بداماں پہ واجب ہے تشکر

اس مے کدۂ غیب سے کیا جام ملا ہے
ہے دُور مجھ سے دوستو دُنیائے تفکر

کوئی پیغام ہے کچھ صبا سے

جس کو نسبت عطا ہے خدا سے
ارض قائم ہے ایسے گدا سے

بے نیازی ہے ہر ما سوا سے
رابطہ گر قوی ہے خدا سے

دل ہے ممنون ان کی عطا سے
روح نادم ہے اپنی خطا سے

ذکر تیرا کریں بیٹھ کر ہم
چاہیے وہ زمیں دوسرا سے

جس کو روشن کرے قدرت حق
وہ دیا کیا بجھے گا ہوا سے

مالک دو جہاں گر تو چاہے
سلطنت دے درِ بے نوا سے

آفتابِ نبوت کا مطلع
فوق تھا خلق کے آسرا سے

شانِ عظمت جبالِ حرم کی
کوئی پوچھے تو غارِ حرا سے

مضطرب ہے مرا ذوقِ سجدہ
سر کو پیغام ہے کچھ صبا سے

مجھ پہ برسا دے دریائے رحمت
مانگتا ہے یہ اخترؔ خدا سے

اسبابِ گناہ سے دوری

گلوں سے دُور ہو جس کا نشیمن
وہی بلبل اسیرِ گل نہیں ہے
گلِ افسردہ سے دل کا لگانا
یہ کیا نادانیٔ بلبل نہیں ہے

نظر مت کر حسینانِ جہاں پر

جو رکھا سر تمہارے آستاں پر
زمیں پر رہ کے ہوں ہم آسماں پر

نہ ہنس ظالم مری آہ و فغاں پر
نظر تیری نہیں زخمِ نہاں پر

جہاں آئے صدا آہ و فغاں کی
نہ گرنا برق ایسے آشیاں پر

ہے نقشِ حسن فانی چند روزہ
نظر مت کر حسینانِ جہاں پر

جنھوں نے جان دے دی راہِ حق میں
نہ کر تنقید ان کی داستاں پر

زمیں پر جسم مشغولِ عمل ہے
دلِ عارف مگر ہے آسماں پر

جو دل پر چھا گیا خلاق عالم
نظر اس کی نہیں پھر این و آں پر

خدا ناراض ہو جس گلستاں سے
تو لعنت بھیج ایسے گلستاں پر

جہاں بیٹھے ہوں کچھ اللہ والے
فدا ہوں ایسی بزم دوستاں پر

نہ کر اختر سے ظالم بدگمانی
تبسم کیوں ہے اس کی داستاں پر

(یکم فروری ۱۹۹۴ء، جنوبی افریقہ)

انعام تسلیم و رضا

منکشف راہ تسلیم جس پر ہوئی
اس کا غم راز دار مسرت ہوا
راہ تسلیم میں جس نے سر دے دیا
اس کا سر تاجدار محبت ہوا

خاک سمجھا تھا جسے لعل بدخشاں نکلا

جو تری بزم محبت سے گریزاں نکلا
جس طرف نکلا وہ حیراں و پریشاں نکلا

دل دیا غیر کو جس نے بھی وہ ناداں نکلا
کیوں کہ وہ جان چمن خار بیاباں نکلا

ساری دُنیا کی خرد آئی فدا ہونے کو
جب کبھی جوش جنوں چاک گریباں نکلا

درد ملتا ہے ترے درد کے بیماروں سے
شیخ پھر سارے جہاں سے بھی مہرباں نکلا

نار شہوت میں نظر آئے اندھیرے دل کو
نور تقویٰ دل مومن میں درخشاں نکلا

بعد مدت کے ہُوئی اہل محبت کی شناخت
خاک سمجھا تھا جسے لعل بدخشاں نکلا

زاہد خشک جو تھا، پیرِ مغاں کے صدقے
حاملِ درد ہوا غیر سے نالاں نکلا

ہائے اس قطرۂ دریائے محبت کا اثر
جس کو سمجھا تھا کہ قطرہ ہے وہ طوفاں نکلا

خار سمجھا تھا جسے اہلِ جہاں نے اخترؔ
دامنِ فقر میں اس کے ہی گلستاں نکلا

دل شکستہ اور آثارِ تجلیات

خونِ حسرت رات دن پینے کا لطف
اس کے جلووں کی فراوانی سے پوچھ
لذتِ زخمِ شکستِ آرزو
اس کی آنکھوں کی نگہبانی سے پوچھ

ربّ مہرباں نہیں تو کوئی مہرباں نہیں

یارب ترے سوا تو کہیں بھی اماں نہیں
تو جس کا نہیں اُس کا یہ سارا جہاں نہیں

ظلمت میں ہے یہ شک و شبہ وہم و وسوسہ
ہو مہر نمایاں تو کوئی بدگماں نہیں

جس نے اٹھایا سر کو ترے سنگِ در سے آہ
سارے جہاں میں اس کا کہیں آستاں نہیں

جس میں بہار قرب گلستاں نہ ہو کبھی
وہ آشیاں مرا کبھی اے باغباں نہیں

مشکل ہے ایسے قلب کی توحید ہو صحیح
جس دل کے پاس دوستو وہ پاسباں نہیں

آہِ غمِ خزاں سے نشیمن میں ہے دھواں
عالم میں جب کہ کوئی کہیں بجلیاں نہیں

میں کس طرح سے مان لوں اے درد تو بھی ہے
گریہ کہیں نہیں کہیں آہ و فغاں نہیں

سُورج کی روشنی کی یہی بس دلیل ہے
جب آسماں پہ نجم و مہ و اختراں نہیں

مدت کے بعد کھل گئی اختر یہ حقیقت
رب مہرباں نہیں تو کوئی مہرباں نہیں

آہِ تنہائی

کٹ رہی ہے میری تنہائی مرے نغمات سے
لب اگر خاموش ہوں گے چشم تر ہو جائے گی

کر رہا ہوں آہ پیہم گو ابھی ہے نارسا
ایک دن آخر تو ممنون اثر ہو جائے گی

درحقیقت میری آہ خام کا ہے یہ قصور
رفتہ رفتہ پختہ ہو کر پردہ در ہو جائے گی

کیسے معلوم ہو مومن کا مسلماں ہونا

حسنِ فانی سے ترا آہ یہ شاداں ہونا
یہی دلیل ہے ظالم ترا ناداں ہونا

دل دیا غیر کو ظالم تو کہاں چین سکوں
آہ ہر لحظہ ترے دل کا پریشاں ہونا

شیخ کامل کی توجہ ہو مبارک تجھ کو
نعمت دردسے دل کا ترے خنداں ہونا

رند بھی تیرے کرم سے ہوئے اب شیخ حرم
تری رحمت ہے یہ خاروں کا گلستاں ہونا

رہبرِ منزلِ جاناں سے ہے دوری کا سبب
منزل حق سے ترا آہ گریزاں ہونا

جذبِ منزل ہی کا صدقہ ہے کہ ہر لغزش پر
عاصیوں کا یہ تری راہ میں گریاں ہونا

یہ علامت ہے تجھے ہو گئی نسبت حاصل
ہر نفس سے یہ تری آہ نمایاں ہونا

قلب عاصی پہ گناہوں کی نحوست یہ ہے
اس کے گلشن کا اندھیروں سے بیاباں ہونا

لے لیا درد ترا دونوں جہاں کے بدلے
تھی خبر جس کو ترے درد کا درماں ہونا

یہ علامت ہے کہ حاصل ہے تجھے صدق و یقیں
خوفِ محشر سے ترے قلب کا لرزاں ہونا

یہی تو دیتا ہے مہجوریِ منزل کی خبر
یعنی اپنوں سے ترا دست و گریباں ہونا

جس کے چہرہ پہ نہ ہو آہ نبی کی سنت
کیسے معلوم ہو مومن کا مسلماں ہونا

چُوم لیتا ہے فلک بڑھ کے زمیں کو اخترؔ
ہو مبارک کسی عاصی کا پشیماں ہونا

کہاں ملتا ہے فرزانوں میں دردِ عشق پنہانی

یہ میری چاک دامانی مری آہ بیابانی
سبب اس کا ہے میرے درد کے دریا میں طغیانی

محبت کے سمندر میں جو آجاتی ہے طغیانی
تو پھر ہر موج الفت میں ہوا کرتی ہے جولانی

سمجھنا مت کہ دیوانوں میں ہے کوئی پریشانی
خدا کے عاشقوں میں عشق سے ہے کیفِ لاثانی

نہیں جس آب گل میں دردِ عشقِ حق کی تابانی
وہ انساں ہے کہاں لیکن فقط ہے خاکِ انسانی

نہ دیکھو عاشقوں کی دوستو بے ساز و سامانی
کہ دل میں عشق کا رکھتے ہیں اپنے ملک لاثانی

لیے بیٹھے ہیں اپنے درد دل کا باغ پنہانی
یہ سُلطاں ہیں مگر اے دوستو بے تاج سُلطانی

مری اک آہ سے ظاہر ہیں سب اسرارِ پنہانی
مگر ہے دردِ دل کی داستاں تو بہت طولانی

اگر مرتے نہ ان فانی بتوں کے حسنِ فانی پر
تو اپنی زندگی پر تم نہ کہتے وائے نادانی

جو دیوانوں میں ہے اخترِ محبت کی فراوانی
کہاں ملتا ہے فرزانوں میں دردِ عشقِ پنہانی

(۷ رمضان المبارک ۱۴۱۳ھ حرم مکہ مکرمہ)

علاجِ ذوقِ حسن

نہیں علاج کوئی ذوقِ حسن بینی کا
مگر یہی کہ چھپا آنکھ بیٹھ گوشے میں

اگر ضرور نکلنا ہو تجھ کو سوئے چمن
تو اہتمام حفاظت نظر ہو توشے میں

ہوں اپنے دل میں دفن کچھ ارماں کیے ہوئے

جو دل کو نورِ حق سے ہے تاباں کیے ہُوئے
ہر بزم کو ہے اپنی درخشاں کیے ہُوئے

میں جی رہا ہوں اشکِ ندامت کے فیض سے
ہر لمحہ ان کو اپنا نگہباں کیے ہُوئے

یارب ہے تیرا ذکر عجب کیمیا اثر
صحرا کو بھی ہے میرے گلستاں کیے ہُوئے

دونوں جہاں کا کیف سموتا ہے روح میں
جیتا ہے آپ کو جو مہرباں کیے ہُوئے

ہر لمحۂ حیات ہوا رشکِ صد حیات
اس خالقِ حیات پہ قرباں کیے ہُوئے

ہر خونِ آرزو کا صلہ دل کو جب ملا
عالم کو ہے وہ مظہرِ جاناں کیے ہُوئے

کرتا نہیں جو اپنی حفاظت گناہ سے
گلشن کو بھی ہے آہ بیاباں کیے ہُوئے

کیسے سمجھ لوں پا گیا وہ جام معرفت
رکھتا ہے جو بھی خود کو نمایاں کیے ہُوئے

رکھتا ہے مجھ کو مست خزانہ یہ قلب کا
ہوں اپنے دل میں دفن کچھ ارماں کیے ہُوئے

حالت بدل گئی ہے یہ مُرشد کے فیض سے
ورنہ تھے رند زندگی ویراں کیے ہُوئے

ہوتا ہے طے یہ راستہ مالک کے جذب سے
کرتے مگر ہیں جذب کو پنہاں کیے ہُوئے

اختؔر کو کیا ہُوا ہے کہ عالم میں ہر طرف
پھرتا ہے اپنا چاک گریباں کیے ہُوئے

کشتی بھنور میں جب پھنسے نعرہ لگائے یا خدا

دریا میں دوستو اگر ماہر فن ہو ناخدا
کشتی بھنور میں جب پھنسے نعرہ لگائے یا خدا

عشق بتاں کی منزلیں ختم ہیں سب گناہ پر
جس کی ہو انتہا غلط کیسے صحیح ہو ابتدا

فانی ہے حسن گو مگر اس کا نشہ ہے سخت تر
ان کی طرف نظر سے بھی مجھ کو بچا لے اے خدا

فتنۂ حسن کا خطر یکساں ہے اس میں ہر بشر
ہر اک پہ اس کا ہے اثر سلطاں ہو یا کہ ہو گدا

اختر یہ ناخدا بھی جب طوفاں میں پھنس گیا کبھی
کثرتِ یا خدا سے وہ کیسا ہوا ہے باخدا

چند دن خونِ تمنا سے خدا مل جائے ہے

خالقِ شمس و قمر جس دل میں بھی آجائے ہے
اس کے نورِ قلب سے شمس و قمر شرمائے ہے

اس کے جلووں کی تجلی دل میں جب لہرائے ہے
سارے عالم کا تماشا بے قدر ہو جائے ہے

خالقِ حُسنِ بتاں سے پردہ جب اُٹھ جائے ہے
گرمیٔ حُسنِ بتاں سب سرد کیوں ہو جائے ہے

دل میں یادِ حق کی گرمی دل کو جب گرمائے ہے
یادِ ہر لیلائے فانی سرد پھر ہو جائے ہے

آہ جب دنیا سے کوئی آخرت کو جائے ہے
بس اکیلا جائے ہے اور سب دھرا رہ جائے ہے

لا الٰہ ہے مقدم کلمۂ توحید میں
غیرِ حق جب جائے ہے تب دل میں حق آجائے ہے

سارے عالم میں یہی اختؔر کی ہے آہ و فغاں
چند دن خونِ تمنا سے خدا مل جائے ہے

(نیویارک سے کراچی واپس آتے ہوئے دمشق ایئرپورٹ پر یکم نومبر ۱۹۹۲ء)

مری موجِ غم بے سہارا نہیں ہے

سوا تیرے کوئی سہارا نہیں ہے
سوا تیرے کوئی ہمارا نہیں ہے

سمندر کا ساحل پہاڑوں کا دامن
بجز آہ کے کچھ سہارا نہیں ہے

نہیں ختم ہوتی ہیں موجیں مسلسل
مرے بحرِ غم کا کنارا نہیں ہے

کوئی کشتیِ غم کا ہے ناخدا بھی
مری موجِ غم بے سہارا نہیں ہے

یہ اختؔر اسی کا ہے جو آپ کا ہے
نہیں آپ کا جو ہمارا نہیں ہے

(۶؍ستمبر ۱۹۹۲ء، خانقاہ امدادیہ اشرفیہ ری یونین)

جو سالک پیش مرشد دوستو فانی نہیں ہوتا

جو سالک پیش مرشد دوستو فانی نہیں ہوتا
کبھی وہ واقف اسرارِ عرفانی نہیں ہوتا

جو ظلمت میں ہمیشہ بدعتوں کی غرق رہتا ہے
کبھی اہل نظر کے دل میں نورانی نہیں ہوتا

گناہوں سے نہیں بچتا ہے جو ظالم لئے توبہ
وہ روحانی بظاہر ہو کے روحانی نہیں ہوتا

ہو جس کی چشم تر اور جس کی آہ نیم شب ظاہر
پھر اس کا درد اہل دل پہ پنہانی نہیں ہوتا

خلافِ سنت نبوی ہو جس کی زندگی اختر
وہ ربانی بھی کہلا کر کے ربانی نہیں ہوتا

(اٹلانٹا (امریکہ) ۱۴/اکتوبر ۱۹۹۴ء)

مجھے تو قرب کا عالم دیا ہے آہِ صحرا نے

سُنا ہے خانقاہوں میں محبت کے ہیں مے خانے
دیا کرتا ہے ساقی عاشقوں کو جام و پیمانے

خلافِ راہِ سُنّت جو بنا کرتے ہیں مستانے
وہ دیوانے بظاہر ہیں مگر اندر ہیں فرزانے

جو عارف ہیں وہ کس عالم میں رہتے ہیں خُدا جانے
بھلا جو غیر عارف ہے وہ ان کا رُتبہ کیا جانے

حسینوں کے اُجڑ جائیں گے جب جغرافیے اک دن
بتا ناداں کہاں جائے گا اپنے دل کو بہلانے

جو یاد آتی ہے ان کی دل میں گھبراتا ہوں گلشن میں
مجھے تو قرب کا عالم دیا ہے آہِ صحرا نے

جو زاہد عشق سے نا آشنا ہے پھر بھی وہ ناداں
نہیں سمجھا ہے خود لیکن چلا ہے مجھ کو سمجھانے

کبھی کی آہِ مظلومی سے وقت ظلم ڈرنا تھا
ہُوئے ہیں خانہ آبادِ ظالم جس سے ویرانے

ستایا عمر بھر بوجہل نے شمعِ نبوت کو
مگر بدنام ہیں دونوں جہاں میں اس کے افسانے

کہاں تک ضبط بے تابی کہاں تک پاس بدنامی
کیا مجبور اظہار بیاں پر خوفِ فردا نے

نہ کر تحقیر اے زاھد خُدا کے درد مندوں کی
مقام درد دل کو بے خبر تو آہ کیا جانے

تجلی ان کی ہوتی ہے عطا قلب شکستہ میں
کیا ہے قلب کو لیکن شکستہ غم کے سودا نے

نہیں ہے زندگی میں جس کی کوئی داستاں غم کی
وہ اہل غم کے قربِ خستگی کو آہ کیا جانے

وہی کرتے ہیں ان کے عاشقوں پر تبصرے اخترؔ
جو ظالم درد الفت سے ہوا کرتے ہیں بیگانے

(۱۹، اگست ۱۹۹۳ء، بائی شس)

سمجھنا مت تغافل کیش ان لب ہائے خنداں کو

سمجھنا مت تغافل کیش ان لب ہائے خنداں کو
کہ سینہ میں چھپائے اہل دل ہیں قلب گریاں کو

عنادل کا تقاضا ہے چلو سیر گلستاں کو
مگر آہیں ہماری یاد کرتی ہیں بیاباں کو

اسی سے پوچھ لیتے ہیں بتا رازِ جنوں کیا ہے؟
جو پا جاتے ہیں قسمت سے کسی بھی چاک داماں کو

بگڑتے حُسن کا جغرافیہ دیکھا حسینوں کا
ملامت کرتے دیکھا عاشقی پر عشقِ ناداں کو

مَیں کرتا ہوں چمن میں یاد ان کو ہر نَفَس اے دل
مگر آہیں مری محبوب رکھتی ہیں بیاباں کو

کہاں تک پاسِ بدنامی کہاں تک ضبطِ بےتابی
نہ پکڑو اہلِ دُنیا تم مرے دست و گریباں کو

جو طعنہ زن ہے اپنی بدگمانی سے ارے توبہ
وہ کیا جانے خدا کے عاشقوں کے دردِ پنہاں کو

بہ فیضِ مرشدِ کامل جو نسبت کا ہُوا حامل
تو باصد ساز و ساماں دیکھا اس بے ساز و ساماں کو

بحمداللہ کسی عارف سے سُنتا تھا کبھی اخترؔ
خدا کی یاد میں اُف نعرۂ آہِ بیاباں کو

(خانقاہ امدادیہ اشرفیہ ری یونین ۔ ۴ستمبر ۱۹۹۳ء بروزہفتہ)

جامِ قرب

تو نے ان کی راہ میں طاعت کی لذت بھی چکھی
ہاں شکستِ آرزو کا بھی مقامِ قرب دیکھ

سر فروشی دل فروشی جاں فروشی سب سہی
پی کے خونِ آرزو پھر کیفِ جامِ قرب دیکھ

زندگی نعمت ہے گر مالک پہ قرباں ہوگئی

عشق کی مشکل بہ فیضِ عشق آساں ہوگئی
عشق کی طاقت سے ہر طاقت پشیماں ہوگئی

زندگی نعمت ہے گر مالک پہ قرباں ہوگئی
غیر پر لیکن فدا ہو کر پریشاں ہوگئی

حُسنِ فانی پر فدا ہو کر جو ناداں ہوگئی
زندگانی آہ اس کی ننگِ حیواں ہوگئی

قدرتِ حق سے ہماری خاک انساں ہوگئی
دولتِ ایماں سے پھر لعلِ بدخشاں ہوگئی

ان کے غم کے فیض سے ہر وقت شاداں ہوگئی
زندگی فکر و الم میں کیسی خنداں ہوگئی

خارہائے رنجِ ہجراں سے جو کل رنجور تھی
مرشدِ کامل کے صدقے گل بداماں ہوگئی

کیوں نہ ہو پھر زندگی اس کی پریشاں دوستو
جب وہ ناداں مائلِ زلفِ پریشاں ہو گئی

ذکر کی توفیق جس کو مل گئی شام و سحر
فقر میں بھی زندگی با ساز و ساماں ہو گئی

اہلِ دل سے دردِ دل جس دل کو اے اختر ملا
ایسے درویشوں کی ہستی رشکِ سلطاں ہو گئی

بہارِ چند روزہ و بہارِ غیر فانی

بہارِ حسنِ صورت سے جو عاشق زندہ ہوتا ہے
وہ تبدیلِ بہارِ رنگ سے شرمندہ ہوتا ہے
جمالِ سیرت و معنیٰ سے جو تابندہ ہوتا ہے
تو لطفِ زندگی بھی اس کا پھر پایندہ ہوتا ہے

ایک دن خاکِ منقش نذرِ مدفن ہو گئی

نفس کے گندے تقاضوں سے جو اُن بن ہو گئی
رُوح میری سنبل و ریحان و سوسن ہو گئی

جب ہمارے آب و گل میں دردِ دل شامل ہُوا
ان کی ہر منزل ہمارے پیشِ دامن ہو گئی

جس قدر ظلمت کدہ تھی انجمن ان کے بغیر
اُن کے آتے ہی سراپا بزم روشن ہو گئی

ہم تو صحراؤں کو سمجھے تھے کہ ویرانی ہے واں
ذکرِ حق کے فیض سے وہ رشکِ گلشن ہو گئی

نفس دشمن ہو گیا مغلوب ان کی یاد سے
روح کی طاقت ہماری شیر اَفگن ہو گئی

تلخ تھی بزمِ جہاں میں اہلِ دُنیا کی حیات
فیضِ بزمِ عاشقاں سے بزم گلشن ہو گئی

مت لگانا دل کو تم فانی حسینوں سے کبھی
ایک دن خاک منقش نذر مدفن ہوگئی

جب سے اختر روکش اغیار و بیگانہ ہُوا
بزم اہل دل میں اس کی قدر احسن ہوگئی

قلب مضطر

وہ جس کا نام کہ دُنیا میں قلب مضطر تھا
فلک پہ جاکے وہ ہم شکل ماہ و اختر تھا

تمام عمر تڑپنے کی تھی جو خُو اس میں
نہ جذب ہو سکا دُنیا کا رنگ بُو اس میں

مَیں درد و غم سے بھرا اک سفینہ لایا ہوں
ترے حضور میں اک آب گینہ لایا ہوں

تری رضا کا ہے بس شوق و جستجو اس میں
مری ہزار تمنا کا ہے لہو اس میں

سکونِ دل

اگر اللہ والوں سے نہیں دِل کی دَوا پاتا
بہت مشکل تھا اپنے نفسِ سرکش کو دبا پاتا

خُدا کی سرکشی سے خودکشی ہے مال و دولت میں
کبھی اللہ والوں سے نہیں ایسا سُنا جاتا

سکونِ دل اترتا ہے فلک سے اہلِ تقویٰ پر
بدوں حکمِ خُدا سائنس داں پھر کیسے پا جاتا

اگر پٹرول کے مانند ہوتا یہ سکونِ دل
زمیں میں کرکے بورنگ اس کو ہر کافر بھی پا جاتا

بتوں کے عشق سے دُنیا میں ہر عاشق ہُوا پاگل
گناہوں سے سکوں پاتا تو کیوں پاگل کہا جاتا

بچو گندے عمل سے امردوں سے دُور ہو جاؤ
اگر یہ فعل اچھا تھا خُدا پتھر نہ برساتا

نہیں ممکن تھا ان کی راہ میں میرا قدم رکھنا
اگر جذبِ کرم کی دل نہیں کوئی صدا پاتا

میں تھک جاتا ہوں اپنی داستانِ درد سے اختر
مگر میں کیا کروں چُپ بھی نہیں مجھ سے رہا جاتا

شام ہمدرد میں بعض اہلِ دین کی تصویر دیکھ کر

آپ کے چہروں پہ شربت روح افزا کا لہو
کر رہا ہے صرف فوٹو ہی میں سب کو سرخرو
اپنے خالق سے یہ غفلت کر کے میرے دوستو
قبل توبہ گر مرے ہونا پڑے گا زرد رو
عارضی عزت صدائے جاہ گو ہے کو بہ کو
پُر خطر ہوگا مگر محشر میں ایسا سُرخرو
عظمت قرآں کا صدقہ سُن لو حفاظِ کرام
ما نھٰکم عنہ کے فرمان پر تم فانتھوا

وہ شورِ عندلیب نہ تھا باغباں نہ تھا

جو گلستاں تھا آہ مرا گلستاں نہ تھا
جو زد میں تھا خزاں کی مرا آشیاں نہ تھا
جو غم ملا تھا مجھ کو غمِ جاوداں نہ تھا
جو جانِ جاں تھا کل وہی اب جانِ جاں نہ تھا
اُجڑا ہے اس طرح چمن حُسنِ مجاز کا
وہ شورِ عندلیب نہ تھا باغباں نہ تھا
اس حُسن کی بہار کو لوٹا خزاں نے یوں
آہ سحر نہ تھی دل نالہ کناں نہ تھا
کوئی مرا فراق سے کوئی وصال سے
محفل میں اس کی میر کوئی شادماں نہ تھا
اب ڈھونڈتے ہیں میر غمِ جاوداں کو ہم
جو غم ملا تھا ہم کو غمِ جاوداں نہ تھا
ہے کون جو اس لذتِ غم کو بیاں کرے
سارے جہاں میں جس کا کوئی ترجماں نہ تھا
اختر نے جب بھی دردِ محبت سے کچھ کہا
سارے مقررین میں تابِ بیاں نہ تھا

مولانا مظہر میاں سے خطاب

(جب وہ طالب علم تھے)

ہائے کیا جانے وہ آہوں کی نزاکت کی لچک
جس نشیمن پر نہ ہو برق حوادث کی چمک

غنچہ سہتا ہے چمن میں سختی بادِ سحر
اس کے دامن کو عطا ہوتی ہے پھولوں کی مہک

صبحدم کلیوں کی خوشبو بھی ہے ممنونِ صبا
یعنی اس کے فیض ہی سے غنچے جاتے ہیں چٹک

اک شکستہ غم بھرے دل کو اگر چھیڑے کوئی
دل کے پیمانے سے اس کے کیوں نہ جائے غم چھلک

پس سمجھ لو نامناسب وہ عمل ہے اے پسر
جس عمل سے قبل ہو محسوس دل میں کچھ کھٹک

تم کو اپنے باپ کی تنبیہ کے لہجہ میں بھی
چاہیے آنی نظر مظہر! محبت کی جھلک

تم سے کچھ شکوہ نہیں اختر کا اے جان پدر
ہاں مگر مل جائے آداب محبت کی چسک

نقلِ حالاتِ خاصہ بحالتِ غلبۂ تجلیاتِ مقرباتؒ

بر خلصانِ بارگاہِ حق تعالیٰ شانہٗ

سجدہ سے سر اٹھا تو کہیں آستاں نہ تھا
جیسے کہ وہ زمیں نہ تھی وہ آسماں نہ تھا

گویا زباں تھی بے زباں ہوشِ بیاں نہ تھا
آتش تھی شعلہ زن مگر اس میں دھواں نہ تھا

ہوش و خرد کا نظم بھی جیسے وہاں نہ تھا
لیکن وہاں نہاں جو تھا گویا نہاں نہ تھا

خوشبو تو ہر طرف تھی مگر گلستاں نہ تھا
مفہومِ قربِ خاص تھا لفظ و بیاں نہ تھا

جلوے تو سامنے تھے مگر یہ جہاں نہ تھا
دردِ نہاں تو تھا مگر اشکِ رواں نہ تھا

مخفی تھا دل میں جو کبھی آتش فشاں نہ تھا
اِک کیفِ پُرسکوں تھا کوئی این و آں نہ تھا

خورشید و ماہ و کہکشاں کچھ بھی وہاں نہ تھا
دُنیائے دوں نہ تھی کوئی دیگر جہاں نہ تھا

آنکھوں کے دائرے میں جمالِ جہاں نہ تھا
کون و مکاں کا سامنے کوئی نشاں نہ تھا

اِک پھول جاوداں کے سوا گلستاں نہ تھا
اُن کے سوا کوئی بھی وہاں رازداں نہ تھا

اس بے خودی میں پاس کوئی بوستاں نہ تھا
طائر نہ تھے اور ان کا کوئی آشیاں نہ تھا

کوئی ضرر سے غمزدہ کوئی نفع سے خوش
دُنیائے عشق میں کہیں سود و زیاں نہ تھا

اے دردِ دل ہو تجھ کو مبارک ترا یہ فیض
دنیا سے لے کے باغِ جناں تک نہاں نہ تھا

اس بزم کا اک عالمِ ھُو نام ہے خستہ
گویا سوا خدا کے کوئی بھی وہاں نہ تھا

لگے ہے میر چہرے سے کہ وہ کوئی منسٹر ہے
مگر ڈانٹے ہے جب موذی کو تو لگتا کلکٹر ہے

مرے کانوں میں خراٹا بھی اس کا مثل موٹر ہے
اور اپنے سرخ رخساروں سے وہ مثل ٹماٹر ہے

بظاہر وہ علی گڈھ کا پڑھا بی کام مسٹر ہے
مگر اب مدرسہ میں شیخ کے استاد مسٹر ہے

مٹا ڈالا ہے اپنے نفس کو اس میر نے ورنہ
لگے تھا پہلے یہ ظالم کہ کوئی انسپکٹر ہے

سوزوکی کار تھا پہلے ہمارے پاس جب آیا
مٹاپے سے مگر لگتا ہے اب جیسے ٹریکٹر ہے

سفر میں اور حضر میں میر میرے ساتھ رہتا ہے
کبھی لٹر ہے ظالم اور کبھی یہ مانچسٹر ہے

گدائے خانقہ بن کر مزہ پایا ہے شاہی کا
اگرچہ پاس اس کے کوئی بنگلہ ہے نہ موٹر ہے

اے اختر یہ گدائی خانقاہی اس کی قسمت تھی
وگرنہ میر صاحبزادہ ڈپٹی کلکٹر ہے

(۳۰ جولائی ۱۹۵۹ء کراچی)

رازِ شگفتگی

صرصر جو کہے کلیوں سے ہو جاؤ شگفتہ
کیا کھل کے وہ شاخوں کو سجا دیں گی چمن میں؟
ہاں چھیڑ دے گر ان کو کبھی بادِ سحر تو
پھر کھل کے وہ خوشبو کو لٹا دیں گی چمن میں!

دریائے ڈربن

(افریقہ)

لغت سے ہم سمجھتے تھے کہ یہ کوئی بیاباں ہے
مگر دیکھا تو ڈربن دوستو رشکِ گلستاں ہے

یہاں کے دوستوں سے قلب و جاں مسرور ہیں میرے
خُدا کے فضل سے ڈربن ہمارا فرحت جاں ہے

اسی ڈربن میں ہے اک خادمِ دیں مولوی یونس
مری آہ و فغاں کے نشر کا جو ساز و ساماں ہے

ہمارے دردِ دل کا ترجمہ انگلش میں کر دینا
اسے یورپ میں کرنا نشر پھر یہ حقِ ایماں ہے

اُٹھاتا ہے جو نازِ شیخ کو اے دوستو سُن لو
اُسی کو خلق میں دیکھو گے تم کہ جانِ جاناں ہے

بزرگوں کی دُعاؤں سے ملا ہے دردِ دل مجھ کو
تعجب کیا زباں میری جو ہر سُو شعلہ افشاں ہے

تعجب کیا شہیدوں پر جو اپنی جان بھی دے دی
فدا ہونے کو ان پر ایک کیا یہ سیکڑوں جاں ہے

رفو کرتا وہی ہے چاک دامانی اُمّت کا
وفورِ عشق سے جو خود بھی اخترؔ چاک داماں ہے

(کیپ ٹاؤن (جنوبی افریقہ) ۸ جنوری ۱۹۹۰ء)

فریبِ مجاز

نہ وہ سوز ہے نہ وہ ساز ہے یہ عجب فریب مجاز ہے
سرِ نازِ حُسن بھی خم ہوا نہ اب عشق وقف نیاز ہے
گیا حُسن یوں بت ناز کا کہ نشاں بھی باقی نہیں رہا
پڑھو دوستو مرے عشق پر کہ جنازہ کی یہ نماز ہے

زندگی میری پابندِ سنّت رہے

بس مرے دل میں تیری محبت رہے
زندگی میری پابندِ سُنّت رہے
سامنے ایسا خوفِ قیامت رہے
سب گناہوں سے میری حفاظت رہے
مَیں جہاں بھی رہوں جس فضا میں رہوں
میرا تقویٰ ہمیشہ سلامت رہے
ساری دُنیا ہی سے مجھ کو نفرت رہے
بس ترے نام کی دل میں لذت رہے
میرے دل میں ترا دردِ الفت رہے
میری دُنیائے اُلفت سلامت رہے
عاشقوں میں مرا نام لکھ جائے گا
اپنے اعمال پر گر ندامت رہے
تیری مرضی پہ ہر آرزو ہو فدا
اور دل میں بھی اس کی نہ حسرت رہے
میر بس دل میں دردِ محبت رہے
میری دُنیائے اُلفت سلامت رہے
روز و شب قلبِ اختؔر کی ہے یہ دُعا
میرے مولیٰ میری استقامت رہے

عنایتِ شیخ بردلِ غم زدۂ سالکؒ

خلق کا مارا ہوا ، دنیا کا دھتکارا ہوا
اپنی قسمت سے جو ہو ہر آرزو ہارا ہوا

جس کے دن کٹتے نہ ہوں دُنیا کے دردو کرب سے
جس کا دل زخمی ہو یا عشقِ بتاں کی ضرب سے

جس کی رسوائی پہ خندہ زن ہو ساری خلق بھی
اور ہوا اپنے کیے پر جس کو بے حد قلق بھی

اس کو لینے کے لیے ہے میرا آغوشِ کرم
اس کی رسوائی کا بھی رکھے گا یہ اختر بھرم

میرا دل اس دکھ بھرے دل پر کرے گا وہ کرم
بھول جائے گا وہ جس سے ساری دُنیا کے ستم

فوائد : احقر جب حضرت والا کی خدمت میں حاضر ہوا تو بعض حالات کی وجہ سے نہایت شکستہ دل تھا میرے مرشد سراپا محبت و رحمت فداہ روحی و ابی و امی نے نہایت کرم سے احقر کی تسلی کے لیے یہ اشعار فرمائے جس سے احقر کو حیات نو عطا ہوئی اور بے شک حضرت اقدس نے روز اول سے لمحہ بہ لمحہ ساعۃً فساعۃً ایسے الطاف و کرم فرمائے ہیں کہ احقر کا ہر بن مو زبان شکر بن کر بھی حق شکر ادا نہیں کر سکتا کہ حضرت والا کے بے پایاں کرم کے صدقہ میں حضرت اقدس کی ذاتِ گرامی احقر کے لیے مجموعۂ سلطنت ہفت اقلیم اور مجموعۂ لذات کائنات ہے۔ والحمد للہ وزادہ [illegible] اللہ تعالیٰ احقر کے دمِ آخر تک حضرت والا کا سایۂ لطف و کرم احقر کے سر پر قائم رکھیں۔ (ناکارہ میر عفا اللہ تعالیٰ عنہ)

تلخی شامِ غمِ ہجراں سے گھبراتا ہے دل

تلخیٔ شامِ غمِ ہجراں سے گھبراتا ہے دِل
آ مری آہِ سحر تجھ سے بہل جاتا ہے دِل

اپنی ہر اک آہ سے گو خود جلا جاتا ہے دِل
پھر نہ جانے آہ پیہم کیوں کیے جاتا ہے دِل

مَیں بتاؤں آہِ پیہم کیوں کیے جاتا ہے دِل
خوں بہائے خونِ دل سے آہ کو پاتا ہے دِل

غم پہ جب کچھ اختیار اپنا نہیں پاتا ہے دِل
ہر نَفَس دستِ طلب اس در پہ پھیلاتا ہے دِل

صفحۂ ہستی پہ میرے ایسے افسانے بھی ہیں
اُف تصور سے بھی جن کے مُنہ کو آجاتا ہے دِل

جب تجلّی اُن کی ہوتی ہے دِلِ برباد میں
آرزوئے ماسوا سے خود ہی شرماتا ہے دِل

آرزوئے دل کو جب زیر و زبر کرتے ہیں وہ
ملبۂ دل میں انہیں کو میہماں پاتا ہے دل

لاکھ شمعیں جل رہی ہیں ہر طرف اختر مگر
وہ نہیں تو روشنی میں تیرگی پاتا ہے دل

ذکرِ یارانِ بنگلہ دیش

کچھ نہ پوچھو لطفِ بنگلہ دیش کا
ہر طرف مجمع ہے خیر اندیش کا

ہر طرف دریائے اُلفت ہے رواں
ہے نظارہ کیسا بنگلہ دیش کا

فکرِ عقبیٰ جس کو ہو جائے نصیب
ہے یہی انعام دُور اندیش کا

عشقِ حق سے بھاگتا ہے بس وہی
جو فقط عاشق رہا سندیش[1] کا

یہ بھی فیضِ مُرشدِ ابرار ہے
ہے پتہ اب نفس کے ہر نیش کا

جب ملے انوارِ تسلیم و رضا
ہو گیا عاشق وہ رنجِ خویش کا

گرچہ اختر ہے بدیشی پھر بھی وہ
آدمی لگتا ہے اپنے دیش کا

[1] وہاں کی ایک مٹھائی کا نام ہے۔ یہاں مُراد لذاتِ فانیہ دنیویہ ہیں۔ جامع

☆

وہ کون سا ہے وقت کہ تم پر فدا نہیں

یا رب مرے گناہ کی گو انتہا نہیں
لیکن ترے کرم کی بھی تو انتہا نہیں

وہ کون سا ہے وقت کہ تم پر فدا نہیں
وہ کون سی ادا ہے جو حُسنِ ادا نہیں

تم خود ہی آگئے ہو مرے جذبِ عشق سے
میرا تو میرؔ تم سے کوئی مدعا نہیں

آنکھوں سے ربطِ میکدہ پہچانا میرؔ نے
چہرہ سے میرے کوئی نشہ رُونما نہیں

رکھتا ہے میرؔ رشکِ چمن دردِ دل نہاں
اہلِ خرد کی رائے میں گو خوشنما نہیں

کشتی میں اس کی بدگماں تو بیٹھ کر تو دیکھ
کہتا ہے کون پیر مرا ناخدا نہیں

اشعار سب ہُوئے ہیں یہ مرشد کے فیض سے
کیا صاحبِ نسبت کا یہ فیض رسا نہیں

جو بزمِ غیر سے بھی ہے مانوس آہ آہ
اخترؔ وہ عشقِ حق سے ابھی آشنا نہیں

(دار العلوم مدنیہ بفیلو (امریکہ) ۲۳ ستمبر ۱۹۹۴ء)

دار العلوم مدنیہ بفیلو میں بعد از طعام دوپہر جب حضرت والا استراحت فرما رہے تھے اس وقت چند منٹ میں یہ اشعار وارد ہُوئے اور جب احقر کے متعلق یہ شعر فرمایا ؎

تم خود ہی آ گئے ہو مرے جذبِ عشق سے ۔۔۔ میرا تو میرؔ تم سے کوئی مُدعا نہیں

اس وقت حضرت والا کی محبت میں حضرت والا ہی کی برکت اور فیضان توجہ سے احقر نے یہ شعر عرض کیا جو بطور یادگار یہاں درج کیا جاتا ہے ؎

دیکھے ہزار شمس و قمر کائنات میں ۔۔۔ دُنیا میں آپ جیسا کوئی دوسرا نہیں

(جامع)

آہ جو دل ترے غم کا حامل نہیں

دو جہاں کا مزہ اس کو حاصل نہیں
آہ جو دل ترے غم کا حامل نہیں

آپ چاہیں ہمیں یہ کرم آپ کا
ورنہ ہم چاہنے کے تو قابل نہیں

صحبت اہل دل جس نے پائی نہ ہو
اس کا غم غم نہیں اس کا دل دل نہیں

جس جگہ آپ کا قرب ملتا نہ ہو
ہو کے منزل بھی وہ میری منزل نہیں

غیرِ حق سے لگاتا ہے جو اپنا دل
تیری اُلفت کے غم کا وہ حامل نہیں

آپ کا ہوں میں بس اور کسی کا نہیں
کوئی لیلیٰ نہیں کوئی محمل نہیں

کہہ رہا ہے یہ اختر بہ بانگِ دہل
بحرِ اُلفت کا کوئی بھی ساحل نہیں

پھول ان کے سدا بہار نہیں

قلب جو غم سے ہمکنار نہیں
خار صحرا ہے گلعذار نہیں

موسم گل جو کل خزاں ہوگا
اس خزاں کو سمجھ بہار نہیں

ان کے عارض کی عارضی ہے بہار
پھول ان کے سدا بہار نہیں

جن کی آنکھوں سے کتنے بسمل تھے
ان کا دیکھا ہے کیا مزار نہیں

ایسی اُلفت کا کیا سہارا ہے
رنگ فانی کا اعتبار نہیں

موت سر پر کھڑی ہے اے عشرت
اب تو غفلت میں دن گذار نہیں

غیر فانی بہار دیتا ہے

نفس اپنا جو مار دیتا ہے
روح کو صد قرار دیتا ہے

شیخ کامل کے فیض کو دیکھو
رند کو بھی سنوار دیتا ہے

عشق تجھ پر ہو بارشِ رحمت
غیر فانی بہار دیتا ہے

نفس دشمن کی بات مت مانو
گُل کے بدلے یہ خار دیتا ہے

عشق مجبور بے زباں ہو کر
دیدۂ اشکبار دیتا ہے

کیا ملے گا گناہ سے اختؔر
لعنتیں بے شمار دیتا ہے

بہارِ عشقِ حقیقی

عشق دل کو بہار دیتا ہے | جذبۂ جاں نثار دیتا ہے
طاعتِ مختصر پہ میرا کریم | اجر کیا بے شمار دیتا ہے
اہلِ دل کے کرم کا کیا کہنا | دردِ دل بار بار دیتا ہے
کیا کرامت ہے نورِ تقویٰ کی | روح کو اک قرار دیتا ہے
حسنِ فانی سے دھوکہ مت کھانا | ایک فانی خمار دیتا ہے
پھول بس اپنی بے وفائی سے | عندلیبوں کو خار دیتا ہے

راہِ تقویٰ میں غم جو ہے اخترؔ
زندگی پُربہار دیتا ہے

شانِ گل ننگِ خار ہوتی ہے

جب خدا پر نثار ہوتی ہے
زندگی پُر بہار ہوتی ہے

جرمِ غفلت کی مرتکب ہو کر
زندگی بے قرار ہوتی ہے

صحبت اہل دل کی برکت سے
ہر کلی گلعذار ہوتی ہے

کون رُخصت ہُوا گلے مل کے
ہر کلی اشکبار ہوتی ہے

روحِ اخلاص گر نہیں شامل
یادِ حق کاروبار ہوتی ہے

اُن کی ناراضگی سے اے اختر
شانِ گل ننگِ خار ہوتی ہے

سوزِ فریاد و آہ و فغاں میں

عنادل بھی ہیں زاغ بھی بوستاں میں
کرو منتخب صحبتیں اس جہاں میں

ہے محبوب کس کی رفاقت بتا دو
گلوں کی یا خاروں کی اس گلستاں میں

گلوں کی حفاظت ہے خاروں سے ناداں
نہیں بے ضرورت ہیں یہ بوستاں میں

یہ خیر القروں سے چلا آرہا ہے
منافق بھی تھے محفلِ دوستاں میں

ستائے اگر کوئی ظالم کسی کو
سنو طرزِ فریاد و آہ و فغاں میں

بفیضانِ مرشد ولایت ملے گی
عبادت کرے لاکھ زاہد جہاں میں

خدا نے بنایا ہے بے مثل اُن کو
محمد ہیں بے مثل دونوں جہاں میں

اگر خار ہیں سایۂ گل میں اختر
نہیں بارِ خاطر دلِ باغباں میں

ؐ صلی اللہ علیہ وسلم

جبینِ عشق رشکِ آسماں ہے

خوشی تیری امانِ دو جہاں ہے
ترے تابع زمین و آسماں ہے

محبت کی یہ کیسی داستاں ہے
فدا جس پر زبانِ عاشقاں ہے

سرِ عاشق اور ان کا آستاں ہے
جبینِ عشق رشکِ آسماں ہے

بہ فیضِ دردِ نسبت غم نہاں ہے
نہیں ہرگز عبث آہ و فغاں ہے

گناہوں کا اگر بارِ گراں ہے
تو بحرِ مغفرت بھی بے کراں ہے

تری ناراضگی میں موت پنہاں
خوشی تیری حیاتِ جاوداں ہے

جہنم ہے اشد خنگی ہے تیری
رضا تیری سے مجھے رشکِ جناں ہے

عدو ہے درپئے نقصاں رسانی
مگر اس سے قوی تر نگہباں ہے

فدا بر مرکز لذات عالم
کہ جس سے دل میں لطفِ دو جہاں ہے

گناہوں پر جسارت بھی بُری ہے
مگر مایوسیاں کفرِ عیاں ہے

بدوں توفیق تیری دل ہے مردہ
کرم سے تیرے یہ آہ و فغاں ہے

تری توفیق کا صدقہ ہے یا رب
جو تیری یاد میں مشغول جاں ہے

یہ سب احسان ہے اختر پہ تیرا
جو تیری حمد میں رطب اللساں ہے

فلک پر ہیں ستارے تجھ پہ نازاں

نہ جاؤ میر سوئے بزمِ زاغاں
وہ کیا جانیں حیاتِ شاہبازاں

شکستِ آرزو کا یہ ثمر ہے
کہ عاشق ہے امامِ عشق بازاں

مبارک تجھ کو اے اشکِ ندامت
فلک پر ہیں ستارے تجھ پہ نازاں

صلہ دیکھو یہ خونِ آرزو کا
ملی پرواز رشکِ شاہبازاں

یہ منزل کا کرم ہے سالکوں پر
بہر لحظہ ہے امدادِ چراغاں

اگر روباہ پر ان کا کرم ہو
تو پائے ہمتِ شیرِ بیاباں

یہ دردِ دل کی نعمت آہ اختر
کرم ہے رب کا تجھ پر ہو نہ نازاں

نہ جانے کتنے خورشید و قمر کا نور تھا شامل

ہمارے آب و گِل میں دردِ دل کب سے ہُوا شامل
کہ جب سے احتسابِ تلخ ساقی کا ہُوا نازل

زبانِ دردِ دل سے اس طرح تفسیرِ قرآں کی
یہ لگتا ہے کہ جیسے آج ہی قرآں ہُوا نازل

یہ عرفانِ محبت ہے یہ فیضانِ محبت ہے
کہ موجوں کی طرف خود آگیا بڑھتا ہُوا ساحل

نہ جانے کتنے خورشید و قمر دل میں اُتر آئے
ہمارے آب و گِل میں دردِ نسبت جب ہُوا شامل

تجلّی خالقِ شمس و قمر کی جب ہُوئی دل میں
نہ جانے کتنے خورشید و قمر کا نور تھا شامل

مری کشتی کو طوفانوں میں بھی اُمیدِ ساحل تھی
مرے خوفِ تلاطم میں تھا اُن کا آسرا شامل

جس دل میں ہے تجلّیِ مولائے کائنات

جس دل میں ہے تجلّیِ مولائے کائنات
اس کی نظر سے گرگئی لیلائے کائنات

وہ رشکِ سلطنت بھی ہے اور رشکِ کائنات
دل میں تری نسبت کی جسے مل گئی سوغات

محسوس جب ہُوئے ہیں ترے قرب کے نفحات
جیسے مری حیات کو ملتی ہے صد حیات

جلوہ فگن ہے جب سے ترا فیضِ اسمِ ذات
مشہود ہوئے جاتے ہیں جیسے کہ مغیبات

ہوتا ہے ورد جب بھی ترا نام زباں پر
ہے رشکِ سلاطیں ترا مسکینِ کائنات

جلووں سے ترے سب مری نظروں سے گرگئے
انجم ہو یا قمر ہو کہ خورشیدِ کائنات

تاجوں کے موتیوں سے بھی افضل ہیں دوستو

جو توں میں اہل دل کے جو ہیں خاک کے ذرات

جب کہتی ہے اللہ زباں ایسا لگے ہے

کرتی ہے ذکر ساتھ مرے ساری کائنات

جس وقت تری یاد میں ہوتا ہوں میں مشغول

گر جاتی ہے نظروں سے مری ساری کائنات

اخترؔ کے جو لمحات تری یاد میں گذرے

ہیں بس وہی لمحات مرے حاصل حیات

(جنوری ۱۹۹۴ء، جنوبی افریقہ)

اشکِ ندامت اور آہِ مضطر

آہ سے راز چھپایا نہ گیا

منہ سے نکلی مرے مضطر ہو کر

چشمِ نم سے جو چھلک جاتے ہیں

ہیں فلک پر وہی اختر ہو کر

جب عشق بولنے لگا اشکِ رواں کے ساتھ

اس طرح دردِ دل بھی تھا میرے بیاں کے ساتھ
جیسے کہ میرا دل بھی تھا میری زباں کے ساتھ

دُنیائے عقل ہو گئی خاموش و بے زباں
جب عشق بولنے لگا اشکِ رواں کے ساتھ

سجدہ میں سر کے قرب کا عالم نہ پوچھئے
جیسے کہ یہ زمیں ہے ترے آسماں کے ساتھ

مومن کے دل پہ معصیت بارِ گراں ہے یوں
جیسے کہ ہر گناہ ہو کوہِ گراں کے ساتھ

یادِ خدا سے دل کو ملا چین دوستو
پاتا ہے چین کب کوئی عشقِ بُتاں کے ساتھ

جس پر خدا ہو مہرباں رہتا ہے چین سے
ہرگز نہ ہوگا بے سکوں نامہرباں کے ساتھ

رب جہاں کے ساتھ ہے جس دل کو رابطہ
اختؔر دعا بھی اس کی ہے آہ و فغاں کے ساتھ

(بائلے سے ونڈسر لیک ڈسٹرکٹ کے راستہ میں (برطانیہ) ۱۲ ستمبر ۱۹۹۳ء)

بے سروسامانیِ عشق

گرچہ میں بے گھر رہا بے در رہا
پر ترے ہی در پہ میرا سر رہا
ان کو ہر لحظہ حیات نو ملی
زیر خنجر عاشقوں کا سر رہا

گردش میں کوئی خاک بھی ہے آسماں کے ساتھ

کرتی ہے عقل نشرِ محبت زباں کے ساتھ
لیکن بیاں ہے عشق کا آہ و فغاں کے ساتھ

کرتا کوئی دُعا ہے فقط اس زباں کے ساتھ
لیکن زباں کسی کی ہے اشکِ رواں کے ساتھ

رہتی کسی کی خاک ہے اس خاکداں کے ساتھ
گردش میں کوئی خاک بھی ہے آسماں کے ساتھ

آنسو جو گر گئے ہیں محبت میں دوستو
گر کر زمیں پہ رہتے ہیں وہ اختراں کے ساتھ

گلشن ہوا ہے مجھ کو بیاباں بدونِ دوست
صحرا ہوا ہے رشکِ چمن دوستاں کے ساتھ

اختر کی یہ دُعا ہے کہ یارب کرم سے تو
دونوں جہاں میں رکھنا مجھے عاشقاں کے ساتھ

(۲۱ ستمبر ۱۹۹۳ء نیویارک سے بفیلو آتے ہوئے طیارہ میں)

ہر لمحہ حیات ہے سلطان جاں کے ساتھ

گذری ہے جو حیات بھی عشقِ بتاں کے ساتھ
گذرا ہے اس کا ہر نفس آلامِ جاں کے ساتھ

عشاقِ حق جہاں بھی ہیں آہ و فغاں کے ساتھ
رہتے ہیں مست لذتِ دونوں جہاں کے ساتھ

رہتا نہیں جو دوستو ربِ جہاں کے ساتھ
کیا فائدہ جو رہتا ہے سارے جہاں کے ساتھ

حاصل جسے ہے تیری معیت ہر اک نفس
صحرا میں بھی رہ کر کے ہے وہ بوستاں کے ساتھ

نسبت عطا ہوئی جسے مرشد کے فیض سے
ہر لمحہ حیات ہے سُلطانِ جاں کے ساتھ

طائر نہیں جو واقفِ آدابِ گلستاں
ممکن نہیں گذر ہو کسی باغباں کے ساتھ

اختر مرے مرشد کا ذرا فیض تو دیکھو
کس طرح دردِ دل کیا میرے بیاں کے ساتھ

اب ہو گئے ہیں وقف کسی آستاں کے ساتھ

کچھ سابقہ ضرور ہے دردِ نہاں کے ساتھ
ہے میرؔ رابطہ اگر آہ و فغاں کے ساتھ

اخلاص سے جو رہتا ہے پیرِ مغاں کے ساتھ
رہ کر زمیں پہ رہتا ہے وہ آسماں کے ساتھ

جو حسرتوں سے رہتا ہے زخمِ نہاں کے ساتھ
وہ دل سے رہا کرتا ہے ربِّ جہاں کے ساتھ

رہتے تھے میرؔ جو کبھی حُسنِ بتاں کے ساتھ
اب ہو گئے ہیں وقف کسی آستاں کے ساتھ

مشغول تھی جو روح کبھی این و آں کے ساتھ
رہتی ہے شب و روز وہ ربِّ جہاں کے ساتھ

چلتا نہیں ہوں مَیں کبھی اہلِ جہاں کے ساتھ
میں چل رہا ہوں دوستو ان کے نشاں کے ساتھ

رو پڑتے ہیں کیوں لوگ مری داستاں کے ساتھ
شاید کہ میرا دل بھی ہے میری زباں کے ساتھ

دھوکہ نہ کھائیے کبھی اہلِ فغاں کے ساتھ
باطن میں ہے بہار بظاہر خزاں کے ساتھ

طائر کی دوستی ہے اگر باغباں کے ساتھ
محروم نہ ہوگا وہ کبھی آشیاں کے ساتھ

اخترؔ مجھے تو آہِ بیاباں سے عشق ہے
رکھتی ہے جو کہ وقف مجھے جانِ جاں کے ساتھ

(جوہانسبرگ، بوقتِ شب ۴ شعبان ۱۴۱۳ھ)

دیوانۂ زنجیرِ شریعت

پا بہ زنجیر جو دیوانہ نظر آتا ہے
وہی اسرارِ محبت کی خبر لاتا ہے

جانِ مضطر کو بصد شوق فدا کرنے کو
سُوئے مقتل ترا دیوانہ بڑھا جاتا ہے

لیکن بہارِ قلب ہے یادِ خدا کے ساتھ

رہتے ہیں میر ان دنوں بادِ صبا کے ساتھ
اور دل ہے مست جامِ شرابِ وفا کے ساتھ

گلشن کی ہے بہار تو بادِ صبا کے ساتھ
لیکن بہار قلب ہے یادِ خدا کے ساتھ

ہر وقت اس کا کیف ہے رشکِ شہانِ ارض
جیتا ہے جو غلام خُدا کی رضا کے ساتھ

توبہ خطا کے بعد ضروری ہے دوستو
شامل اگرچہ ان کا کرم ہو خطا کے ساتھ

اختر وہ باخدا کبھی ہو جائے گا ضرور
رہتا ہے روز و شب جو کسی باخدا کے ساتھ

(اٹلانٹا (امریکہ)، ۲۸؍ اکتوبر ۱۹۹۳ء)

زخمِ حسرت کی بدولت محرمِ منزل ہُوا

نعمتِ بے کیف و کم نسبت کا جو حامل ہُوا
وہ گروہِ اولیاء میں فضل سے شامل ہُوا

جو خدا والوں کی صحبت سے ذرا غافل ہُوا
اس کا دل فانی حسینوں کی طرف مائل ہُوا

لطفِ دردِ دل کا جس کی روح کو حاصل ہُوا
عاشقوں میں وہ خدا کے بالیقیں شامل ہُوا

جو حسینوں کی طرف اک ذرہ بھی مائل ہُوا
پس اسی دم دور اس کے قرب کا ساحل ہُوا

حُسنِ فانی سے نظر جس نے بچائی دوستو
زخمِ حسرت کی بدولت محرمِ منزل ہُوا

اہلِ دل کی بزم میں اختر جو شامل ہوگیا
اس کے آب و گل میں داخل جلد دردِ دل ہُوا

(۹ رمضان المبارک ۱۴۱۳ھ حرم مدینہ طیبہ)

دھواں اٹھا نشیمن سے یہ کہہ صیاد ظالم سے

منور کر دے یارب مجھ کو تقویٰ کے معالم سے
ترے در تک جو پہنچا دے ملا دے ایسے عالم سے

علاج حزن و غم ہے صرف توبہ کر گناہوں سے
اندھیرے بے سکونی ہیں معاصی کے لوازم سے

جو دل سے غیر مخلص ہو وفاداری سے عاری ہو
بہت محتاط رہنا چاہیے پھر ایسے خادم سے

کیا برباد جس نے آخرت کو اپنی غفلت سے
بھلا پھر فائدہ کیا اس کو دُنیا کے مغانم سے

نہ اہل دل کی صحبت ہو نہ دردِ دل کی نعمت ہو
تو پڑھ لکھ کر بھی وہ محروم ہوگا قلب سالم سے

کسی کی آہِ سوزندہ فلک پر نعرہ زن بھی ہو
تو پھر ظالم کو ڈرنا چاہیے اپنے مظالم سے

کہیں شامل نہ ہو طائر کی بھی آہ و فغاں اس میں
دھواں اٹھا نشیمن سے یہ کہہ صیاد ظالم سے

کتب خانے تو ہیں اختر بہت آفاق عالم میں
جو ہو اللہ کا عالم ملو تم ایسے عالم سے

خدا کے حکم پر اپنا سر تسلیم خم کردو

خدا کے حکم پر اپنا سرِ تسلیم خم کر دو
گناہوں پر ندامت سے تم اپنی چشم نم کر دو

دلِ ویراں کو یادِ حق سے تم باغِ ارم کر دو
عجم کو نورِ حق سے مظہرِ نورِ حرم کر دو

گناہوں کی خوشی کو خوفِ محشر سے الم کر دو
اور اپنے آنسوؤں میں اپنا خونِ دل بہم کر دو

گنہ کی صبح کو خوفِ خدا سے شامِ غم کر دو
ندامت سے پھر اپنے دل کو رشکِ جامِ جم کر دو

گراں کی راہ میں تم قلب و جاں کو وقفِ غم کر دو
فلک سے اس زمینِ سجدہ کو تم اپنی ضم کر دو

خدا کے نام پر قرباں تم ساری نعم کر دو
اور اخترؔ اپنے قلب و جاں کو تم نذرِ حرم کر دو

وہ خاکی جس زمیں پر آیا بن کر آسماں آیا

بحمد للہ مرے دل میں وہ سلطانِ جہاں آیا
لغت تعبیر سے قاصر ہے مافوق البیاں آیا

سُنا ہے جلوہ اس کا کیف و کم سے پاک ہے لیکن
دلِ عارف میں آیا کس طرح فوق اللساں آیا

اسی کو اہلِ نسبت صوفیا حضرات کہتے ہیں
جو سُلطانِ جہاں ہو کر کے بے نام و نشاں آیا

علامت اہلِ دل کی دوستو ظاہر نہیں ہوتی
مگر منبر پہ جب آیا تو با آہ و فغاں آیا

معیّت خاصہ کا دل میں گو احساس رہتا ہے
نگاہوں میں مگر اس کا اثر تو بے زباں آیا

بڑی مُدت سے دردِ دل لیے خاموش تھا ظالم
مگر محفل میں جب آیا تو با آتش فشاں آیا

بفیضِ مُرشدِ کامل جو نسبت کا ہُوا حامل
وہ خاکی جس زمیں پر آیا بن کر آسماں آیا

شکستِ آرزو سے دل شکستہ ہو گیا لیکن
ہمارا دردِ دل بن کر کے خورشید جہاں آیا

لگایا جس نے غیر اللہ سے دل ایسے ظالم کو
جہاں دیکھا اسے اے دوستو نوحہ کناں آیا

ہزاروں خونِ حسرت سے بہت خونِ تمنا سے
شکستہ دل میں آیا اور پھر کیسا عیاں آیا

معیت خاصہ جب اہلِ دِل کو مل گئی اختر
وہ جب آیا ہے منبر پر تو با سحرِ بیاں آیا

ظلمتِ معصیت و انوارِ طاعت

پوچھے نہ کوئی اُف دلِ برباد کا عالم
جیسے کہ جہنم میں ہو جلاد کا عالم
واللہ کہوں کیا دلِ آباد کا عالم
جنت کی بھی جنت ہے تری یاد کا عالم

زندگی کر دو فدا مالک کے نام

جو بھی ہوگا ساقیِ مے کا غلام
رہ نہیں سکتا وہ ہرگز تشنہ کام

ایک دن عاشق کی سعیِ ناتمام
لطف سے مالک کے ہوگی خوش مرام

نازِ تقویٰ کب ہے عاشق کا مقام
وہ ندامت سے ہے ہر دم شادکام

جس کی قسمت میں ہے جنت کا مقام
راہِ سُنّت کا ہے اس کو اہتمام

جو نہیں کرتا بڑوں کا احترام
اس کا ذلت سے لیا جاتا ہے نام

لے بُرائی سے جو اہل اللہ کا نام
اس سے کہہ دو چپ ہو ظالم بے لگام

اہل دل کا جو ہوا دل سے غلام
عاشقوں کا ہوگا وہ اک دن امام

حُسن کے ساقی کو دے دو یہ پیام
مت لگا مُنہ سے مرے جامِ حرام

آسمانوں سے اترتی ہے جو مے
اس کے پینے کو کہا کس نے حرام

دیکھئے فیضانِ تسلیم و رضا
صبحِ گلشن ہے ہمارے غم کی شام

حاسدوں کا بس یہی انعام ہے
جل رہے ہیں کیسے ان کے صبح و شام

جو ہنسے بلبل بجا کر صبحدم
اُن سے سنتا ہوں فغانِ طبل شام

دوستو سُن لو یہ اختر کی صدا
زندگی کر دو فدا مالک کے نام

(ری یونین - ۳۰ اگست ۱۹۹۴ء)

جو بندہ ترا تابع فرمان رہے گا

جو غیر حق پہ قلب سے قربان رہے گا
انسان کی صورت میں وہ شیطان رہے گا

ممکن نہیں کہ قلب میں وہ چین پا سکے
جب تک کہ کوئی عامل عصیان رہے گا

فانی بتوں کے عشق میں ہو گا جو مبتلا
تا عُمر دوستو وہ پریشان رہے گا

دونوں جہاں میں پائے گا وہ چین کی حیات
جو بندہ ترا تابعِ فرمان رہے گا

فانی بتوں سے صرفِ نظر گر نہیں کیا
دریائے قلب میں ترے طوفان رہے گا

ظالم اگر رہے تُو مری انجمن سے دُور
اے حُسن ترا عشق پہ احسان رہے گا

سُنتا ہوں میں عالم ہیں یہ اخترؔ کی زباں سے
عاصی کو قربِ خاص سے حرمان رہے گا

وہ دل جو تیری خاطر فریاد کر رہا ہے

حُسنِ بُتاں سے جو دل آباد کر رہا ہے
وہ اپنی زندگی کو برباد کر رہا ہے
جو نفس کو گناہوں سے شاد کر رہا ہے
وہ روح کو معذب ناشاد کر رہا ہے
وہ دل جو تیری خاطر فریاد کر رہا ہے
اُجڑے ہُوئے دلوں کو آباد کر رہا ہے
جو یاد کر رہا ہے مولیٰ کو اپنے دل میں
سمجھے کہ اس کا مولےٰ بھی یاد کر رہا ہے
انعام ذکر کا یہ قرآن نے بتایا
ذاکر کو اس کا مولیٰ بھی یاد کر رہا ہے
پیاسوں کا یاد کرنا پانی کو ہے مُسلَّم
پانی بھی اپنے پیاسوں کو یاد کر رہا ہے
گر یاد کر رہی ہے یہ خاک آسماں کو
اختؔر فلک زمیں کو بھی یاد کر رہا ہے

ذلیل و خوار ہی عاشق مجاز

روتا ہے سر پہ خاک اُڑا کر وہ کو بکو
منزل پہ گامزن نہ ہوئی اس کی جستجو
جیب و گریباں پھاڑ کے کرتا ہے ہاوہو
کوئل کی طرح باغ میں کرتا ہے کوکو

اس آہوئے ختن کے لیے سو جتن کیے
پھرتے ہیں میر دشت میں سر پر کفن لیے

مدت کے بعد جب نظر آیا وہ نازنیں
ماضی کی داستانِ محبت تھی سرنگوں
دونوں کی آبرو بھی تھی مدفونِ قبر میں
اور کربلائے قتلِ محبت سے اشک خوں

سنبل کے تازیانے سوسن کے وار سے
بھاگے ہے میر نالہ کناں کوئے یار سے

☆

عشقِ مجازی کا علاج

دل کو دے کر حُسنِ فانی پر نہ اُجڑا جائے گا

حُسن کا اُجڑا ہُوا منظر نہ دیکھا جائے گا

یہ حسیں تجھ کو کبھی آباد کر سکتے نہیں

تیرے دل کو جز الم کچھ شاد کر سکتے نہیں

عشقِ صورت ہے عذاب نار عاشق کے لیے

زندگی کس درجہ ہے پُر خار فاسق کے لیے

صورتِ گُل ہیں مگر خاروں سے بڑھ کر پُر اَلم

صورتاً ان کا کرم عاشق پہ ہے صد بار ستم

اے خدا کشتی مری طوفانِ شہوت سے بچا

ان حسینوں کے عذابِ نارِ اُلفت سے بچا

چار دن کی چاندنی پر مست جانا کبھی

آفتابِ حق سے ظلمت میں نہ تم آنا کبھی

عارض و گیسو کی ہیں یہ عارضی گُل کاریاں
چند دن میں ہوں گی یہ ننگِ خزاں پھلواریاں

ان کے چہروں سے نمک کچھ دن میں جب جھڑ جائے گا
میر اُن کو دیکھ کر تُو شرم سے گڑ جائے گا

ایک دن بگڑا ہُوا جغرافیہ ہو گا صنم
دیکھ کر جس کو تو ہو گا محوِ حسرت محوِ غم

مال و دولت دین و ایماں آبرو چین و وقار
سب لُٹا کے ایک دن ہو یقیناً شرمسار

بارہا دیکھا کہ کیسے کیسے خورشید و قمر
چند دن گذرے کہ آئے وہ خمیدہ سی کمر

آہ جن آنکھوں سے شربت رُوح افزا تھا عیاں
چند دن گذرے کہ ان آنکھوں سے اٹھتا تھا دھواں

سُرخی رُخسار جو تھی آہ کل برگِ گلاب
عاشقوں کا دل تھا جس کو دیکھ کر مثل کباب

چند دن گذرے کہ وہ چہرے ہونق ہو گئے
عاشقوں کے چہرۂ الفت بھی احمق ہو گئے

ڈھونڈتا ہے میراب اُن کے لبوں کی سُرخیاں
پر نظر آئیں فقط چہرے پہ ان کے جُھریاں

ان کی زلف سیاہ پر جب سے سفیدی چھا گئی
ہر کلی اختر غم حسرت سے پھر مُرجھا گئی

مرقعِ عبرت

کتابی چہرے جو ہوں گے بینگن — تو ٹوٹ جائیں گے سارے بندھن
وہ شاہزادی لگے گی بھنگن — اگرچہ پہنے وہ لاکھ کنگن
وہ شاہزادہ لگے گا بھنگی — اگرچہ کر کے آئے وہ کنگھی
یہ دانت ہل کر اُکھڑ پڑیں گے — لگائیں ان پر ہزار منجن
نہ سُننا اے میر اُن کی ہرگز — کہ نفس و شیطاں ہیں تیرے دُشمن
لگا بڑھاپے سے مجھ کو فتو — اگرچہ پہنے ہوئے ہے اچکن
ہوئے ہیں پیری میں مثل بلی — جو تھے جوانی میں شیر افگن
بچاؤ اپنی نظر کو اختر — یہی ہے بس اک طریق احسن

معراجِ عشق

یہ نظم چھتاری منزل علی گڑھ میں لکھی تھی جب احقر حضرت اقدس پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ کے ہمراہ وہاں مہمان تھا۔ —————— (محمد اختر)

*

رہوں روز و شب گرچہ باغِ ارم میں ۔۔۔ وہ دونوں جہاں دیں عمومِ کرم میں
کروں عیش گو ہر طرح کی نعم میں ۔۔۔ عطا ہفت اقلیم ہو ہر قدم میں

مرے دل میں تیرا اگر غم نہیں ہے
تو یہ ساری راحت کم از سم نہیں ہے

بہت خوش نما ہیں یہ بنگلے تمہارے ۔۔۔ یہ گملوں کے جھرمٹ یہ رنگیں نظارے
ارے جی رہے ہو یہ کس کے سہارے ۔۔۔ کہ مرنے سے ہوجائیں گے سب کنارے

اگر قربِ جانِ بہاراں نہیں ہے
یہ تنگ حراں ہے گلستاں نہیں ہے

تمہیں سے ہے جنت بھی جنت ہماری ۔۔۔ نہ ہو تم تو جنت میں بھی ہوں میں ناری
محبت کی دل پر لگے ضرب کاری ۔۔۔ مری کامیابی کی آجائے باری

مری جاں کا کوئی سہارا نہیں ہے
بجز تیرے کوئی ہمارا نہیں ہے

یہ ہے عشق میں امتحاں کس بشر کا　　بنائے ذبیحہ جو اپنے پسر کا
پدر سے ہے اعجاز قلب و جگر کا　　پسر سے ہے اعجاز تسلیم سر کا

ترے حکم پر کیا گوارا نہیں ہے
کوئی تجھ سے بڑھ کر پیارا نہیں ہے

ترے عشق کے غم کا ادنیٰ اثر ہے　　کہ جاں سر بکف زیر تیغ و تبر ہے
بکوئے ملامت کوئی در بدر ہے　　بشوق شہادت کوئی دار پر ہے

اگر آپ کا غم ہمارا نہیں ہے
مجھے ہر دو عالم گوارا نہیں ہے

ملائک زخونِ شہیدانِ ملت　　محبت کی ہمت سے ہیں محو حیرت
کہا تھا کہ مفسد بشر کی ہے فطرت　　وے شاد باش اے جنونِ محبت

ترے غم سے بڑھ کر کوئی غم نہیں ہے
بشر سے یہ اعجاز غم کم نہیں ہے

بہت سے سلاطیں ہوئے گھر سے بے گھر　　دلوں میں جب ان کے کیا عشق نے گھر
مزہ ان کو آیا جو اس سنگِ در پر　　تو پایا فقیری کو شاہی سے بہتر

وہ دل جس میں جلوہ تمہارا نہیں ہے
وہ دل سب کا ہو پر تمہارا نہیں ہے

کبھی تو بہ آہ و فغاں رو رہا ہوں　　کبھی دل ہی دل میں نہاں رو رہا ہوں
کبھی اک خلش سی محض پا رہا ہوں　　کبھی خون آنکھوں سے برسا رہا ہوں

ترے غم کا جو ہائے مارا نہیں ہے
کسی کا وہ ہو پر تمہارا نہیں ہے

جگہ ہے وہی ساری دُنیا میں خوشتر　　جہاں آپ کے در پہ ہوگا مرا سر
نہ ہرگز مرا سر ہو اور غیر کا در　　یہی ہے شب و روز فریادِ اختر

جو ہے آپ کا بس وہی ہے ہمارا
ہمارا نہیں جو نہیں ہے تمہارا

نصیحت برائے عاشقینِ مجاز

حسینوں کا جغرافیہ میر بدلا

کہاں جاؤ گے اپنی تاریخ لے کر
یہ عالم نہ ہوگا تو پھر کیا کرو گے
زحل مشتری اور مریخ لے کر

خون کا سمندر

(یعنی مجاہدۂ راہِ سلوک)

عارفاں زانند ہر دم آمنوں
کہ گذر کردند از دریائے خوں (رومیؔ)

سنو داستانِ مضطر ذرا دل پہ ہاتھ رکھ کر
یہ لہو لہاں کا منظر مرا سر ہے زیرِ خنجر
مرے خوں کا بحرِ احمر
ذرا دیکھنا سنبھل کر

میں کلی ہوں ناشگفتہ مری آرزو شکستہ
میں ہوں ایک ہوش رفتہ مرا دردِ راز بستہ
مری حسرتوں کا منظر
ذرا دیکھنا سنبھل کر

مرے دل میں غم نہاں ہے مری چشم خوں فشاں ہے
مرے لب پہ وہ فغاں ہے کہ فلک بھی نوحہ خواں ہے

مری بے کسی کا منظر
ذرا دیکھنا سنبھل کر

یہ تڑپ تڑپ کے جینا ‌ ‌ ‌ ‌ لہو آرزو کا پینا
یہی میرا جام و مینا ‌ ‌ ‌ ‌ یہی میرا طورِ سینا

مری وادیوں کا منظر
ذرا دیکھنا سنبھل کر

مری آہ کا اثر ہے ‌ ‌ ‌ ‌ مرے درد کا ثمر ہے
کہ جہاں بھی سنگِ در ہے ‌ ‌ ‌ ‌ مرے آنسوؤں سے تر ہے

مری عاشقی کا منظر
ذرا دیکھنا سنبھل کر

مرا غم زدہ جگر ہے ‌ ‌ ‌ ‌ مری چشم چشمِ تر ہے
مرا بحر خوں سے تر ہے ‌ ‌ ‌ ‌ مرا بَر لہو سے تر ہے

مرے بحر و بر کا منظر
ذرا دیکھنا سنبھل کر

وہ جو خالقِ جہاں ہے ‌ ‌ ‌ ‌ وہی میرا رازداں ہے
مرا حال خود زباں ہے ‌ ‌ ‌ ‌ مرا عشق بے زباں ہے

کبھی بے زباں کا منظر
ذرا دیکھنا سنبھل کر

مری فکر لا مکاں ہے ‏ ‏ ‏ ‏ مرا درد جاوداں ہے
مرا قصہ داستاں ہے ‏ ‏ ‏ ‏ مری رگ سے خوں رواں ہے

مرے خون کا سمندر
ذرا دیکھنا سنبھل کر

مرا غم خوشی سے بہتر ‏ ‏ ‏ ‏ مرا خار گل سے خوشتر
مری شب قمر سے انور ‏ ‏ ‏ ‏ غمِ دل ہے دل کا رہبر

غمِ رہنما کا منظر
ذرا دیکھنا سنبھل کر

یہ کرم ہے ان کا اختر ‏ ‏ ‏ ‏ جو پڑا ہے ان کے در پر
کوئی زخم ہے جگر پر ‏ ‏ ‏ ‏ غمِ شام ہے سحر پر

مری زندگی کا منظر
ذرا دیکھنا سنبھل کر

(کراچی ۱۳۹۲ھ)

مری چشمِ تر خون برسا رہی ہے

مری چشمِ تر خون برسا رہی ہے
جہاں بھی کہیں سنگِ در پا رہی ہے

مری آہ کی کچھ خبر لا رہی ہے
صبا آج با چشمِ تر آ رہی ہے

یہی آہِ دل دل کو گرما رہی ہے
محبت کی تکمیل فرما رہی ہے

نہ پوچھو تجلیِ آہِ سحر کو
ضیائے مہ و مہر شرما رہی ہے

بصد شوق بحرِ تلاطم کے اندر
مری ناؤ زیر و زبر جا رہی ہے

تجھے جذبِ خورشید شبنم مبارک
سوئے یار بے بال و پر جا رہی ہے

مبارک تجھے اے مری آہِ مضطر
کہ منزل کو نزدیک تر لا رہی ہے

بکوئے حبیبے دل تشنہ کامے
فغاں میری شام و سحر جا رہی ہے

خوشا آں نگارے نگہ پر خمارے
کہ عشاق کو دار پر لا رہی ہے

نہ پوچھو شبِ غم کی تاریکیوں میں
اب آہِ سحر جلوہ فرما رہی ہے

ہٹو میری نظروں سے امواجِ رنگیں
یہ کشتی پیا کے نگر جا رہی ہے

بتا اے خرد اس کے جلووں کے آگے
یہ ایں لاف و دعویٰ کدھر جا رہی ہے

ہے سرور دل کی تباہی پہ خستہ
کہ ہر سو تجلی نظر آ رہی ہے

عِلاجِ تکبّر

المارئ اسرار کے تالہ کو ذرا کھول ظاہر ہوا جاتا ہے ترے ڈھول کا سب پول
اے نطفۂ ناپاک تو آنکھیں تو ذرا کھول زیبا نہیں دیتا ہے تکبر کا تجھے بول

پھر نعرۂ مستانہ ہاں اے دلِ دیوانہ

پھر نعرۂ مستانہ ہاں اے دلِ دیوانہ
زنجیرِ علائق پر پھر ضرب ہو رندانہ

پھر اشک بداماں ہو پھر چاک گریباں ہو
پھر صحرا نوردی کا دُہرا کوئی افسانہ

کیوں رشکِ گلستاں ہے خاموشیِ ویرانہ
صحرا کی طرف شاید پھر ہے رُخِ دیوانہ

رو رو کے کوئی مجنوں زنداں میں کہہ رہا تھا
یارب مرا ویرانہ یارب مرا ویرانہ

دستِ جنوں کی طاقت دیکھے کوئی فرزانہ
زندانِ علائق سے بھاگا ہے وہ دیوانہ

فرزانگی کو بدلے دیوانگی سے دم میں
مل جائے اگر اے دل تجھ کو کوئی مستانہ

محبوبِ حقیقی سے کب تک رہے گا غافل
ہاں نفس پر تو کر دے اک وار دلیرانہ

گر اہلِ دل کی صحبت پا جائے کوئی اختر
ہو خاکِ تن سے ظاہر مخفی کوئی خزانہ

بہ فیضِ صحبتِ ابرار یہ دردِ محبت ہے

بہ فیضِ صحبتِ ابرار یہ دردِ محبت ہے
بہ اُمیدِ نصیحت دوستو اس کی اشاعت ہے

جسے حاصل کرم سے اُنکے توفیقِ انابت ہے
یقیناً اس کو حاصل رشکِ صد اقلیم دولت ہے

کرم ہے اُن کا جو حاصل تجھے حُسنِ خطابت ہے
مگر رب کی مشیّت پر ہی تاثیرِ ہدایت ہے

اگر حاصل کسی کو راہِ حق پر استقامت ہے
تو یہ اللہ کی جانب سے رحمت اور نصرت ہے

اگر خونِ تمنّا سے ہمارے دل میں حسرت ہے
مگر پوشیدہ اس میں اُن کی قربت رشکِ جنّت ہے

گناہوں کی تمنّا آہ ظالم کیسی فطرت ہے
کہ جس کی ابتدا تا انتہا ظلمت ہی ظلمت ہے

ہمیشہ یاد رکھنا ان کو اختر دردِ نسبت ہے
نہیں ہے صاحبِ نسبت جو ظالم اہلِ غفلت ہے

(دارالعلوم تعلیم القرآن ضلع باغ آزاد کشمیر، ۳ محرم الحرام ۱۴۱۵ھ)

ترے عاشقوں میں جینا ترے عاشقوں میں مرنا

ہے اسی طرح سے ممکن تری راہ سے گذرنا
کبھی دل پہ صبر کرنا کبھی دل سے شکر کرنا

یہ تری رضا میں جینا یہ تری رضا میں مرنا
مری عبدیت پہ یارب یہ ہے تیرا فضل کرنا

یہی عاشقوں کا شیوہ یہی عاشقوں کی عادت
کبھی گریہ و بکا ہے کبھی آہِ سرد بھرنا

یہی عشق کی علامت یہی عشق کی ضمانت
کبھی ذکر ہو زباں سے کبھی دل میں یاد کرنا

مری زندگی کا حاصل مری زیست کا سہارا
ترے عاشقوں میں جینا ترے عاشقوں میں مرنا

مجھے کچھ خبر نہیں تھی ترا درد کیا ہے یارب
ترے عاشقوں سے سیکھا ترے سنگِ در پہ مرنا

یہ تری عنایتیں ہیں یہ تری مدد کا صدقہ
مری جان ناتواں کا ترے غم پہ صبر کرنا

یہ تری عطا ہے یارب یہ ہے تیرا جذب پنہاں
مرا نالۂ ندامت ترے سنگ در پہ کرنا

مرا ہر خطا پہ رونا ہے یہی مری تلافی
تری رحمتوں کا صدقہ مرا جُرم عفو کرنا

تری شان جذب ہے یہ تری بندہ پروری ہے
مرے جان و دل کا تجھ کو ہمہ وقت یاد کرنا

کسی اہل دل کی صحبت جو ملی کسی کو اختر
اسے آگیا ہے جینا اسے آگیا ہے مرنا

*

حُسنِ عارض کا عارضی ہونا

اُس کے عارض کو لغت میں دیکھو کہیں مطلب نہ عارضی نکلے

اشاعت میرے شعروں کی بامید نصیحت ہے

بہ فیضِ صحبت ابرار یہ دردِ محبت ہے
اشاعت میرے شعروں کی بامید نصیحت ہے

محبت درحقیقت اتباعِ راہِ سُنّت ہے
نبی کا راستہ ہی حاصلِ عشق و محبت ہے

یہ دعویٰ عشق کا جو بھی خلافِ راہِ سُنّت ہے
محبت نام کی تو ہے مگر دراصل بدعت ہے

محبت کو تو بس محبوب ہی سے خاص اُلفت ہے
کہاں اغیار سے اس کو بھلا ملنے کی فرصت ہے

یہ گانے اور ڈھولک اور طبلے کی جو علت ہے
کہاں سنت سے ثابت ہے سراسر یہ ضلالت ہے

میسر جس کو سنت پر عمل کرنے کی نعمت ہے
تصوف میں اسے حاصل عظیم الشان عظمت ہے

وہی شیخ طریقت دوستو محبوب ملت ہے
کہ جس کے ہاتھ میں ہر وقت شمع نور سنت ہے

ہوا پر اُڑ کے دکھلانے کی بھی گر اسکو قدرت ہے
اسے شیطان سمجھو گر خلاف راہ سنت ہے

مرے مرشد کو حاصل جو غم احیاء سنت ہے
عظیم الشان دولت ہے عظیم الشان نعمت ہے

ضیاء مہر شرمندہ بہ پیش نور سنت ہے
کہ سنت دوستو گویا کہ خود شمع نبوت ہے

وہ سالک جس کا دل بھی حامل درد محبت ہے
اسے غیروں کو دل دینے سے اختر سخت نفرت ہے

ضمانت مغفرت کی دوستو! اشکِ ندامت ہے

یہ مانا معصیت میں مجرمانہ تھوڑی لذت ہے
مگر اس پالنے والے سے یہ کیسی بغاوت ہے

ذرا سی دیر کی لذت ہمیشہ کی ندامت ہے
جنازہ آبرو کا دفن کرنا کیا حماقت ہے

تری یہ سرکشی حق سے ارے کیسی جسارت ہے
خُدا سے تیری بے خوفی بھی ظالم کیا قیامت ہے

یہ مرنا مرنے والوں پر کھُلی کیسی حماقت ہے
اور ان کی زندگی دونوں جہاں میں کیسی غارت ہے

فنا ہوتا ہے جب جغرافیہ اس حُسن فانی کا
پتہ چلتا ہے تب یہ عشق فانی کیسی لعنت ہے

زمین مجرماں ان مجرموں پر کیسی اُلٹی ہے
پھر ان پر پتھروں کی ایسی بارش کیسی لعنت ہے

عذاب نار سے بچنا ہے تو کر توبہ صادق
ضمانت مغفرت کی دوستو! اشکِ ندامت ہے

یہ توبہ جلد ہے مقبول اہلِ دل کی صحبت میں
جہاں اللہ والے ہیں برستی واں پہ رحمت ہے

وہ تقویٰ جلد پا جاتا ہے اخترؔ ان کی صحبت سے
گناہوں کی پُرانی گرچہ اس کی سخت عادت ہے

ندامتِ عاشقانِ مجاز

اس کا جمال تھا فنا چہرہ پہ آگئی خزاں
اپنی تمام عاشقی بن گئی شرم کا علَم
اپنا سرِ نیاز تھا قدموں پہ آہ جن کے خم
ان کی خزاں کو دیکھ کر چشم ہے آج میری نم

اسی کی روح میں ہوتا ہے دردِ پنہانی

اسی کی روح میں ہوتا ہے دردِ پنہانی
جو رہ کے دُنیا میں رہتا ہے بن کے یزدانی

گناہ کرنے سے آئے گی وہ پریشانی
کہ یاد آئے گی جس سے تجھے تری نانی

یہ نفس سخت ہے دُشمن نہ اس کا کہنا سُن
نہیں تو ہو گی تجھے ایک دن پشیمانی

ذرا سی دیر کی لذت ہے دائمی ذلت
گناہ کرنا ہے اے دل بہت ہی نادانی

مزے کی بات تو یہ ہے کہ کچھ مزہ بھی نہیں
گناہ کرنے میں ہے سیکڑوں پریشانی

مرے پیامِ محبت کو سُن لے اے اخترؔ
تو اپنی روح کو بس کر خُدا پہ دیوانی

(۹ رمضان المبارک ۱۴۱۴ھ حرم مدینہ پاک)

نفس دشمن ہے دشمن کو ناشاد کر

اپنے مالک سے اُٹھ کر کے فریاد کر
دل کو سجدہ میں رو رو کے آباد کر

روح کو نور تقویٰ سے تو شاد کر
نفس دشمن ہے دشمن کو ناشاد کر

دل کو نور خدا سے تو آباد کر
اور گناہوں کی خواہش کو برباد کر

حمد سے اس زباں کو تو حماد کر
سر کو چوکھٹ پہ ان کی تو سجاد کر

قلب و جاں کو تو اس در پہ عباد کر
اور سکون دل و جاں کو خلاد کر

اپنی خوشیوں کو اختر تو برباد کر
اپنے رب کی خوشی سے دل آباد کر

رفتار کا گفتار کا کردار کا عالم

جب سے ہے مرے سامنے مولائے کائنات
دربار سے پوچھے کوئی دربار کا عالم

جب سے ہُوا ہے خالقِ گلشن سے رابطہ
گلزار سے پوچھے کوئی گلزار کا عالم

شمس و قمر کی روشنی سب ماند پڑ گئی
جب سے دیا اللہ نے انوار کا عالم

دیکھو تو عاشقوں کی ذرا شان دوستو
رفتار کا گفتار کا کردار کا عالم

گر اتباعِ سنّتِ نبوی کا ہو چلن
رفتار سے پوچھے کوئی رفتار کا عالم

جب حشر میں بخشیں گے گناہوں کو کرم سے
کیا ہوگا بھلا آپ کی سرکار کا عالم

(دارالعلوم مدنیہ، بفیلو (امریکہ) ۲۴ ستمبر ۱۹۹۴ء)

جلسۂ قربِ محبت

محبت میں کبھی ایسا زمانہ بھی گذرتا ہے
زباں خاموش رہتی ہے مگر دل روتا رہتا ہے

اگرچہ راہِ تقویٰ میں ہزاروں غم بھی آتے ہیں
مگر جو عاشقِ صادق ہے غم کو سہتا رہتا ہے

صلہ عشقِ مجازی کا یہ کیسا ہے ارے توبہ
کہ عاشق روتے رہتے ہیں صنم خود سوتا رہتا ہے

خطاؤں کی اگر آئی ہے دامن پر ذرا سیاہی
تو اپنے آنسوؤں سے عشق اس کو دھوتا رہتا ہے

گنہگاروں کی مت تحقیر کر اے زاہدِ ناداں
کہ ان کی آہ و زاری پر فلک بھی روتا رہتا ہے

بہ فیضِ مرشدِ کامل جو دردِ دل ہُوا حاصل
تو دل پر جلسۂ قربِ محبت ہوتا رہتا ہے

جو غیروں پر فدا کرتا ہے اپنے قلب و جاں اخترؔ
بہ جرمِ بے وفائی حق سے وہ محروم رہتا ہے

وہی پاتا ہے منزل ساتھ جو رہبر کے رہتا ہے

یہی تو عشق کا جغرافیہ دن رات رہتا ہے
کہ ہر تاریخِ حسرت پر وہ راضی دل سے رہتا ہے

خطا صادر اگر ہوتی ہے تو اشکِ ندامت کا
حضورِ سجدۂ حق ایک دریا سا بھی بہتا ہے

یہ ان کی راہ میں چلنا ، نہیں خوبی ہے رہرو کی
کہ مالک کے کرم کا ہر قدم مرہون رہتا ہے

علامت ہے کہ یہ طالب ہُوا ہے صاحبِ نسبت
رہِ تقویٰ میں جو بھی رات دن ہر غم کو سہتا ہے

یہی ہے تجربہ دُنیا میں سب اللہ والوں کا
وہی پاتا ہے منزل ساتھ جو رہبر کے رہتا ہے

یہ منزل کی طلب بھی جذبِ منزل ہی کا صدقہ ہے
وگرنہ مست دنیا ہی میں یہ انسان رہتا ہے

دلیلِ کامیابی ہے تلاشِ مرشدِ منزل
کہ بے رہبر ہی منزل سے سدا محروم رہتا ہے

ملی ہیں لذتیں دونوں جہاں کی اس کو اے اختر
جو اپنے مالکِ جاں پر فدا جاں کرتا رہتا ہے

دل کا مصرفِ حقیقی

ظالم ہے عدل کے خلاف غیر کو دل دیا اگر
جس نے دیا ہے دل تجھے دل کو فدا اسی پہ کر
اس کا سکون چھن گیا مرکز سے جو ہوا جُدا
مرکزِ دل خُدا ہے بس دل نہ فدا کسی پہ کر

ہر اک ذرّہ کو رہنما دیکھتا ہوں

میں جب بھی یہ ارض و سما دیکھتا ہوں
ہر اک ذرہ کو رہنما دیکھتا ہوں

ہر اک رند کے جام و مینا کا عالم
ترے میکدہ کا گدا دیکھتا ہوں

بہت ساغرِ مے کو دنیا میں دیکھا
مگر تجھ پہ سب کو فدا دیکھتا ہوں

خزاں میں ہر اک بوستاں خشک دیکھا
ترے باغِ دل کو ہرا دیکھتا ہوں

زمانے کے رندوں سے ملتا ہوں لیکن
تری مستیاں کچھ سوا دیکھتا ہوں

ترے عالمِ ھُو کا منظر وہ دیکھا
کہ آزاد ہر ماسوٰی دیکھتا ہوں

ترے درد و غم کو اے اختر ہمیشہ
رہِ عشق میں ناخدا دیکھتا ہوں

رشکِ جنّت ہے تری خوشنودگی

رشکِ جنّت ہے تری خوشنودگی	ننگِ دوزخ ہے تری ناراضگی
جب ملی توفیقِ سرافگندگی	اُن سے حاصل ہو گئی وابستگی
ہے گناہوں میں جہنّم کا اثر	کس قیامت کی ہے دل میں تیرگی
ان کی مرضی پر کریں قربان جاں	بندگی کی ہے یہ روحِ بندگی
جو رہے گا مستِ شانِ خواجگی	پا نہیں سکتا وہ رُوحِ بندگی
اُف گناہوں سے تری آلودگی	اور نہیں تجھ کو شعورِ گندگی
فکرِ عقبیٰ سے تری افسُردگی	صرف دُنیا سے تری دل بستگی
رابطہ کر جلد اہل اللہ سے	تا نہ ہو برباد تیری زندگی
صحبتِ نیکاں سے اخترؔ ایک دن	دور ہو جائے گی تیری خستگی

مُرشد
سے
درخواست
دُعا

ساقیا جامِ الفت پلا دے — میری اصلاح کی بھی دُعا دے

میرے مولا سے مجھ کو ملا دے — اور گناہوں کو مجھ سے چھڑا دے

مجھ کو نفرت ہو ہر معصیت سے — رُوح کو میری ایسی دوا دے

ہو تقاضا اگر معصیت کا — ہوں نہ مغلوب، ہمت خدا دے

اپنی آہِ سحر میں یہ کہنا — اے خدا اپنی کامل رضا دے

چین کی نیند مجھ کو سُلا دے — خوابِ غفلت سے مجھ کو جگا دے

جذب سے مجھ کو اے میرے مالک — اہلِ تقویٰ کرم سے بنا دے

اپنے اختر کو رُسوا نہ کرنا
اس کے عیبوں کو یارب چھپا دے

اے خدا مجھ کو آنسو کا دریا بھی دے

لطفِ گلشن بھی دے لطفِ صحرا بھی دے
اس چمن میں کوئی غم کا مارا بھی دے

ایسی کشتی کو موجوں کا کچھ ڈر نہیں
مالکِ بحر و بر جب سہارا بھی دے

موج غم میں ہے کشتی پھنسی اے خدا
فضل سے اس کو کوئی کنارا بھی دے

مجھ کو خلوت میں بھی یاد تیری رہے
اے خدا عاشقوں کا نظارا بھی دے

یوں بیانِ محبت زباں پر تو ہے
اے خدا مجھ کو آنسو کا دریا بھی دے

اپنے اختؔر کو دے نعمتِ علم بھی
اور زباں پر محبت کا نعرہ بھی دے

(جنوبی افریقہ۔ ۴ شعبان ۱۴۱۲ھ)

☆

تب وہ سمجھے مری بے کلی کو

جب لگائی ہے دل کی لگی کو
تب وہ سمجھے مری بے کلی کو

سجھو عکسِ کفِ پائے احمد*
ارضِ طیبہ کی ہر ہر گلی کو

چار سُو ان کی نسبت کی خوشبو
کیا ہُوا ہے یہ دل کی کلی کو

نیند غائب ہے اور چشم تر ہے
عشق سمجھے تھے وہ دل لگی کو

قیس نے جس سے پائی تھی لیلیٰ
چومتا تھا کبھی اُس گلی کو

کیوں نہ چومے بصد شوق مومن
اُن کی نگری کی ہر ہر گلی کو

اپنی یادوں کے صدقے میں اختر
دل لگی کر دیا بے کلی کو

*صلی اللہ علیہ وسلم

سکونِ دل در مجلسِ اہلِ دل

سوائے تیرے کوئی ٹھکانہ نہیں ہے یارب جدھر بھی جاؤں
کسے غمِ جان و دل سناؤں کسے میں زخمِ جگر دکھاؤں

یہ دُنیا والے تو بے وفا ہیں وفا کی قیمت سے بے خبر ہیں
پھر ان کو دل دے کے زندگی کو جفا سے آہنگ کیوں بناؤں

یہ بُت جو محتاج ہیں سراپا غلام ان کا بنوں تو کیوں کر
غلام کا بھی غلام بن کر میں اپنی قیمت کو کیوں گھٹاؤں

یہ مانا ہم نے چمن میں خوش رنگ گل سے بلبل ہے مست و شیدا
مگر نشیمن جو عارضی ہو تو اس کو مسکن میں کیوں بناؤں

مجھے تو اختؔر سکونِ دل گر ملا تو بس اہلِ دل کے در پر
تو ان کے در کو میں اپنا مسکن صمیمِ دل سے نہ کیوں بناؤں

اے مری آہ بے نوا تو نے کمال کر دیا

عالم ہجر کو مرے تو نے وصال کر دیا
یعنی ہماری آہ کو واقفِ حال کر دیا

اپنا جہاں دکھا کے یوں محوِ جمال کر دیا
میری نظر میں یہ جہاں خواب و خیال کر دیا

میرا پیام کہہ دیا جا کے مکاں سے لامکاں
اے مری آہ بے نوا تو نے کمال کر دیا

میرے قویٰ تو اس قدر ہوتے ابھی نہ مضمحل
اے دلِ مبتلائے غم تو نے نڈھال کر دیا

ذوق طلب بھی مختلف دہر میں دیکھتا رہا
اخترؔ بے قرار نے تیرا سوال کر دیا

اے ہماری کائنات دل کے خورشید و قمر

دل میں ان کی یاد کی لذت ہو اے درد جگر
پھر ترا کیا شام غم اور کیا تری آہ سحر
دل تو کچھ روشن نہیں ہے تم سے اے شمس و قمر
کائنات دل کے ہیں کچھ دوسرے شمس و قمر
تجھ سے روشن ہیں جہان درد کے شمس و قمر
اے امام درد دل اے رہبر درد جگر
اے خدا تجھ سے ہی روشن ہیں ہمارے رات دن
اے ہماری کائنات دل کے خورشید و قمر
میں نے یہ دیکھا، نہیں ملتا سکوں تیرے بغیر
گرچہ حاصل ہو مجھے کُل کائنات بحر و بر
اے خدا کیا رابطہ ہے تجھ سے ان ارواح کو
بے ترے پاتی نہیں جو چین با صد مال و زر
آسمان دل پہ ان کے غم کے تارے ہوں اگر
پھر شب تاریک میں بھی طے ہو منزل بے خطر
گر ہے جان زندگی سے دُور کوئی زندگی
تلخ کر دیتی ہے اختؔر تلخی شام و سحر

تلاشِ دیوانۂ حق

اختر ہمیں تو چاہیے وہ رندِ[1] بادہ نوش
جس کو ہو فکر جام[2] نہ ہو فکر ناؤ نوش

ہو جس کی موت و زندگی بس اس کے نام پر
دونوں جہاں کو کھیل گیا اس کے نام پر

جو روح چین پاتی نہ ہو اس کے غیر سے
وحشت سے بھاگی پھرتی ہو ہر ایک دَیر سے

سینہ میں ہو جو درد کا نشتر لیے ہوئے
صحرا و چمن دونوں کو مضطر کیے ہوئے

اللہ کہے درد سے وہ اس طرح اخترؔ
ارض و سما کی یہ فضا ہو جائے منور

یا رب ترے عشاق سے ہو میری ملاقات
قائم ہیں جن کے واسطے یہ ارض و سماوات

[1] رند بادہ نوش سے مُراد اللہ تعالیٰ کا عاشق ہے [2] جام سے مُراد جام معرفت و محبت الٰہیہ ہے۔

جیتے ہیں جو ترے لیے مرتے ہیں ہم وہیں
جس دل میں تو نہیں وہاں جائیں گے ہم نہیں

مِل جائے جب وہ دردشناسائے محبت
پھر شوق سے کر دوں فدا گلہائے محبت

پوچھوں گا میں اس سوختہ جاں سے یہ باادب
ہم تشنہ لبوں کو بھی پلائے گا جام کب

کچھ راز بتا مجھ کو بھی اے چاک گریباں
اے دامنِ تر اشکِ رواں زلفِ پریشاں

کس کے لیے دریا تری آنکھوں سے رواں ہے
کس کے لیے پیری میں بھی تو رشکِ جواں ہے

کس کے لیے لب پر یہ ترے آہ و فغاں ہے
کس برق سے اُٹھتا یہ نشیمن سے دھواں ہے

ہے کس نگہِ پاک کا تیرے جگر میں تیر
اک خلق ہوئی جاتی ہے جس درد کی اسیر

تیرے چمن کو کیسے اجاڑے گی وہ خزاں
جو خود ہی تیرے فیض سے ہے رشکِ گلستاں

میں کچھ بھی نہیں دوستو ہیں سب مرے اشعار
فیض شہ عبدالغنی فیض شہ ابرار

میں داستان دردِ جگر کس کو سناؤں
اختر میں اپنا زخمِ جگر کس کو دکھاؤں

پا جاتا ہوں جب آشنائے دردِ جگر کو
کرتا ہوں فاش رابطۂ شمس و قمر کو

ے شمس کے نور سے قمر منور ہوتا ہے بشرطیکہ زمین درمیان سے ہٹ جاوے ورنہ جس قدر زمین حائل ہوتی ہے اسی قدر چاند بے نور ہوتا ہے یہ حیلولت اگر کامل طور پر ختم ہوتی ہے تو چاند چودھویں تاریخ کا بدر کامل ہوتا ہے اور اگر یہ حیلولت کلی طور پر حائل ہو تو چاند بالکل بے نور ہو جاتا ہے اسی طرح آفتاب قرب حق اور قلب کے درمیان نفس کی زمین حائل ہے جو سالک اپنے نفس کو بالکل مٹا دیتا ہے۔ اس کے دل کا چاند اللہ تعالیٰ کے نور سے بالکل منور ہو جاتا ہے اور جس کا نفس جس قدر حائل رہتا ہے اسی قدر دل بے نور رہتا ہے۔

حفاظتِ نظر

بے پردہ حسینوں سے ہوا تنگ زمانہ
آنکھوں نے شروع کر دیا اب دل کو ستانا

ممکن نہیں صورت میں نہ ہو کوئی تغیر
بیکار ہے پھر ان سے ترا دل کا لگانا

لیکن اگر آنکھوں کو نہ تو ان سے بچائے
ممکن نہیں پھر دل کا ترے ان سے بچانا

آنکھوں کی حفاظت میں ہے اس دل کا سکوں بھی
گو نفس کرے تجھ سے کوئی اور بہانا

دھوکہ ہے تجھے لطف حسینوں سے ملے گا
ابلیس کے کہنے سے کبھی اس پہ نہ جانا

پاگل کی طرح پھرتے ہیں عشاق مجازی
بے چین ہیں دن رات یہ بدنام زمانہ

رہنا ہے اگر چین سے سُن لو یہ مری بات
آنکھوں کو حسینوں کی نظر سے نہ ملانا

اختر کی یہ اِک بات نصیحت کی سُنو تم
ان مُردہ حسینوں سے کبھی دل نہ لگانا

انسانیت کا اپنی وہ پرچم جلا گئے

ہم جنس پرستی سے جو لذت اڑا گئے
انسانیت کا اپنی وہ پرچم جلا گئے

رُسوا ہُوئے ہیں فاعل و مفعول آن میں
دونوں حیا کے اپنے جنازے اُٹھا گئے

ہرگز ملا سکیں گے نہ آنکھیں تمام عُمر
آپس میں شرم کے جو وہ پردے ہٹا گئے

دھوکہ یہ تھا کہ حق محبت ادا کریں
نفرت کا بیج تا دم آخر جما گئے

سمجھے تھے جس نظر کو اساس حیاتِ دل
کیوں اس نظر سے آج وہ نظریں بچا گئے

کیا کم ہے دوستو یہی لعنت مجاز کی
پہچاننے کے بعد بھی آنکھیں چُرا گئے

یہ عشق کی صورت میں تقاضے تھے فسق کے
دونوں کو ایک پل میں جو رُسوا بنا گئے

ایک دن پوچھے گا مالک ہاں بتا کیا کیا

زندگی بھر کو فقط بریانیاں کھایا کیا
خاک تن میں خاک رنگیں اس طرح لایا کیا

عمر کو مت خاک کر غفلت سے رنگیں خاک پر
ایک دن پوچھے گا مالک ہاں بتا کیا کیا

بس وہی محفوظ رہتا ہے گناہوں سے سدا
اپنی رحمت کا خدا نے جس پہ بھی سایہ کیا

حُسن جب فانی ہوا تو پھر کہاں جائے گا تُو
رات دن تو جن بتوں کا آہ گُن گایا کیا

روزِ محشر اُن گنہگاروں کی بھی ہوگی نجات
اشکباری سے گناہوں پر جو پچھتایا کیا

ہائے یہ انجام بد ظالم ترا عشقِ مجاز
عمر بھر آپس میں دل پھر کیسا شرمایا کیا

جس نے بھی اختر کیا اُن پر فدا دونوں جہاں
ہر نفس وہ حاصلِ دونوں جہاں پایا کیا

(اواخر جون ۹۵ء کراچی)

اے چشمِ اشکبار ترا ہے عجب بیاں

غم کے بغیر معرفت ہوتی نہیں عیاں
جیسے سیاہ پُتلی سے روشن ہے یہ جہاں

مشکل تھا دردِ عشق کا لفظوں میں ہو بیاں
اے آہ تیرا شکریہ تو خود ہے ترجماں

تو نے ہی راز کہہ دیا اے چشمِ خوں فشاں
ورنہ تھا مدتوں سے مرا دردِ دل نہاں

اے چشم اشکبار ترا ہے عجب بیاں
جیسے تجھے نہیں ہے کوئی حاجتِ زباں

تجھ کو ہو مبارک تری رفعت اے آسماں
ہوں مجھ کو مبارک مری سجدہ کی پستیاں

مدت سے دل نے آہ چھپایا تھا رازِ آہ
اے آہ تو نے فاش کیا رازِ بے بیاں

اخترؔ اسی ویراں میں ہے نسبت کا خزانہ
جس نے گرادیں اپنی تمنا کی بستیاں

بھاگ رب کی گلی

ہے بُری یہ گلی بڑھگئی بے کلی اے سکھی میں چلی میری توبہ بھلی

تو ہے گو مَن چلی مت دِکھا کھلبلی سُن رہی اے دل چل بھاگ رب کی گلی

پھول مُرجھا گئے چاندنی ڈھل گئی اپنا انجام بھی کہ گئی ہر کلی

بے نشاں بے نشاں ہو گئے ہر نشاں قبر میں خاک چھانی مگر کیا ملی

رَس بھری آنکھ تھی زلف کالی ملی ہاں بلا بھی مگر اس سے کالی ملی

میرؔ دُنیائے فانی میں ہر سُو ملی بے کلی بے کلی بے کلی بے کلی

مَیں بتاؤں کہ دُنیا میں کیا شے ملی کوئی مجنوں ملا کوئی لیلیٰ ملی

ہاں مگر اہلِ دل ایسے خوش بخت ہیں جن لئے آخر مجھے راہِ مولیٰ ملی

زخمِ اُلفت سے جو قلب گھائل نہیں

زخمِ اُلفت سے جو قلب گھائل نہیں
اہلِ اُلفت کی جانب وہ مائل نہیں

بحرِ اُلفت کا کوئی کنارا کہاں
یہ سمندر ہے وہ جس کا ساحل نہیں

جانے کیا دوستو! لطف آہ و فغاں
دردِ اُلفت کا جو قلب حامل نہیں

صحبتِ شیخ سے جو بھی محروم ہے
بن کے رہبر بھی وہ شیخ کامل نہیں

اس کی منبر پہ تقریر بے کیف ہے
دردِ دل خاک میں جس کے شامل نہیں

جس کا دل اہلِ دل پر نہیں ہے فدا
اس کے سینے میں دل ہے مگر دل نہیں

سارے عالم میں اختر کی ہے یہ صدا
وہ کمینہ ہے جو اُن کا سائل نہیں

بتا تو قبر میں کیا ساتھ لے جائے گا اے ناداں

مری ہر سانس ہے اے دوستو! وقف غم جاناں
ہماری زیست کا ہے بس یہی سب سے بڑا ساماں

غم دُنیائے فانی میں جنھیں بے حد بڑی پایا
ہمیشہ ڈی پریشن کی دوا کھاتے ہیں یہ شاداں

کوئی پاتا نہیں منزل بدون رہبر منزل
اگرچہ راہرو کر دے تلف کوشش میں اپنی جاں

گدائے حُسن فانی ترک کر اپنی حماقت کو
فدا ہو کر خدا پر دیکھ پھر تو کیسی اپنی شاں

تمہیں اے اہل دُنیا ہم نے ہنستے بھی کبھی دیکھا
ہزاروں غم بھی پنہاں ہیں مگر زیر لب خنداں

خُدا سے ہو کے غافل تو ہے دُنیا پر جو گرویدہ
بتا تو قبر میں کیا ساتھ لے جائے گا اے ناداں

ہمیشہ حسن فانی پر جنہیں مرتے ہوئے دیکھا
انہیں صحرائے غم میں ہم نے پایا آہ سرگرداں

مجھے تو ہر نفس میں اُن کی خوشبو ان سے ملتی ہے
اگرچہ اہل دل رکھتے ہیں اپنے درد کو پنہاں

ہمارا بوریہ رشکِ شہانِ ہفت عالم ہے
ہماری روح ان کے نام پر جب سے ہوئی قرباں

کسی بھی مرشدِ صادق پہ جو مرتا ہے اے اختؔر
یقیناً شوق سے پاتا ہے اک دن منزلِ جاناں

زوالِ حسنِ مجاز

اس طرح شکلیں بدل جاتی ہیں میرؔ | پھر نہیں پہچان میں آتی ہیں میرؔ
اور اگر پہچان میں آتی بھی ہیں | پھر ذرا دل کو نہیں بھاتی ہیں میرؔ

(۱۹، رمضان المبارک ۱۴۳۱ھ کراچی)

جس نے سر بخشا ہے اُس سے سرکشی زیبا نہیں

اپنے خالق پر فِدا ہو اور غیر اللہ کو چھوڑ
دامنِ مُرشِد پکڑ اور نفس کے رشتے کو توڑ

خاک ہو جائیں گے قبروں میں حسینوں کے بدن
عارضی دلبر کی خاطر راہِ پیغمبر نہ چھوڑ

جانے کب آجائے رب سے تجھ کو پیغامِ اجل
راہ گُم کردہ نفس کو اُس کی گمراہی سے موڑ

تو نے جو رب سے کیا تھا عہد و پیمانِ ازل
نفس دُشمن کی وجہ سے اس کو اے ظالم نہ توڑ

مَیں نے مانا ہے بہارِ عارضی تجھکو لذیذ
دائمی راحت کی خاطر عارضی راحت کو چھوڑ

جس نے سر بخشا ہے اُس سے سرکشی زیبا نہیں
اُس درِ جاناں پہ سر رکھ اور درِ بُت خانہ چھوڑ

ہمتِ مردانہ اے ظالم تو کر اب اختیار
راہِ سربازی میں اپنی خُوئے رُوباہی کو چھوڑ

دین جس کا ہے اُسی پر آسرا اختؔر کرو
کام جس کا ہے اُسی پر اپنی سب فکروں کو چھوڑ

رہِ عشق میں عقل کانٹا ہے کانٹا

جو گذری تری یاد میں زندگی ہے　　وہی زندگی بس مری زندگی ہے

جو غفلت میں گذرے وہ کیا زندگی ہے　　وہ جینا نہیں بلکہ شرمندگی ہے

فنا یاد میں تیری جو زندگی ہے　　اُسی کے مقدر میں پائندگی ہے

جو ہر سانس سُنّت کے تابع نہیں ہے　　خدا کی نہیں نفس کی بندگی ہے

جو ہے کسبِ دُنیا میں غافل خدا سے　　دنی زندگی ہے بُری زندگی ہے

جو فرزانگی لائے اِک دن تباہی　　وہ کس کام کی ہائے فرزانگی ہے

رہِ عشق میں عقل کانٹا ہے کانٹا　　جو ہے کام کی بس تو دیوانگی ہے

ہو مطلوب جس عقل کی صرف دُنیا　　سمجھ لو کہ اس عقل میں تیرگی ہے

بنائیں وہ کیسے ترے دل کو مسکن　　ترے دل میں جب شرک کی گندگی ہے

نہ ہو جائے جب تک کہ اختر انہیں کا
یہ کس کام کی اس کی وارفتگی ہے

میرا کوئی نہیں آہ تیرے سوا

میرا کوئی نہیں آہ تیرے سوا

اے خدا اے خدا اے خدا اے خدا

زندگی میری ہے تیرا ذکر و لقا

اور مری موت ہے تجھ سے ہوں میں جُدا

تیرے بِن کیوں اندھیرا اندھیرا ہُوا

میری دُنیا کا شمس و قمر کیا ہُوا

بحرِ طوفانِ غم ہے مخالف ہَوا

میری کشتی کا ہے تو ہی بس ناخدا

تیری رحمت کا خورشید روشن ہُوا

ہر سزا سے بَری ہو گیا ناسزا

تیرے دریائے رحمت کا ہے آسرا

ورنہ اختر ہے اعمال سے بے نوا

دلِ تباہ میں فرماں روائے عالم ہے

تباہ ہو کے جو دل تیرا محرمِ غم ہے
اُسے پھر اپنی تباہی کے غم کا کیا غم ہے

ہزار خونِ تمنا ہزار ہا غم سے
دلِ تباہ میں فرماں روائے عالم ہے

مجھے اس عالمِ صد رنگ و بُو سے کیا مطلب
مری حیات تو بس آپ ہی کا اِک غم ہے

خرد کے سامنے گرچہ ہیں صد ہزار عالم
نگاہِ عشق میں تیرا ہی ایک عالم ہے

جو آپ خوش ہیں تو ہر سُو بہار کا عالم
وگرنہ سارا یہ عالم ہی عالمِ غم ہے

جو خوش ہیں آپ تو عالم ہمارا عالم ہے
نہیں تو اپنا بھی عالم تباہ و برہم ہے

یہ پوچھتا ہے مرے دل میں اب ترا جلوہ
کہاں ہے اور کدھر آرزو کا عالم ہے

نظامِ ہوش کا اختر ہے اب خدا حافظ
ہماری روح کہیں ماورائے عالم ہے

عشق کو حاجتِ بیاں نہیں

گو مرا وعدہ بیاں نہیں

مجھ سے ملنا بھی کیا بیاں نہیں

قلب تو ہے اگر زباں نہیں

آہ تو ہے اگر فغاں نہیں

زخم تو ہے اگر نشاں نہیں

عشق کو حاجتِ بیاں نہیں

چشمِ تر جو کہ خونفشاں نہیں

دردِ ہجراں کی رازداں نہیں

میرے غم کی جو ترجماں نہیں

وہ زباں عشق کی زباں نہیں

نہیں مخصوص ہے اس کی تجلّی طورِ سینا سے

غرض اتنی ہے بس پیرِ مغاں کے جام و مینا سے
کہ ہم مالک کو اپنے دیکھ لیتے قلبِ بینا سے

وہ مالک ہے جہاں چاہے تجلّی اپنی دکھلائے
نہیں مخصوص ہے اس کی تجلّی طورِ سینا سے

جو ناداں ہیں وہ اہل اللہ کی عظمت کو کیا جانیں
کوئی دیکھے مقامِ اہلِ دل کو چشمِ بینا سے

بہت روئیں گے کرکے یاد اہلِ مے کدہ مجھ کو
شرابِ دردِ دل پی کر ہمارے جام و مینا سے

خُدا کے ذکر سے وہ کیف ہے ہر قلبِ عارف میں
کہ یہ بکتے نہیں دُنیا کے فانی جام و مینا سے

یہ مانا کہ شکستِ آرزو ہے تلخ تر اخترؔ
مگر اے دل خُدا ملتا ہے بس خونِ تمنا سے